عورت پردے کی آغوش میں




١٤٠٣ھ

پردے کی آغوش میں

عورت

استاد شہید مرتضٰی مطہری

یکے از مطبوعات

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

۲ - بے - ۵/۴ — ناظم آباد — نمبر ۲ — کراچی

نام کتاب ---------- عورت پردے کی آغوش میں

مؤلف ---------- استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ

مترجم ---------- سید محمد موسیٰ رضوی

ناشر ---------- دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

طبع اول ---------- ذیقعد ۱۴۰۷ھ - جولائی ۱۹۸۷ء

طبع دوم ---------- شوال ۱۴۱۰ھ - مئی ۱۹۹۰ء

طبع سوم ---------- رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ - مارچ ۱۹۹۲ء

طبع چہارم ---------- شوال ۱۴۱۶ھ - مارچ ۱۹۹۶ء

فہرست

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب



پہلا باب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رسم پردہ کا تاریخی جائزہ

اس موضوع پر تاریخی اعتبار سے میری معلومات مکمل نہیں ہیں ہماری تاریخی معلومات اس وقت مکمل ہو سکتی ہیں، جب ہم ظہور اسلام سے قبل پائی جانے والی تمام اقوام کے بارے میں اظہارِ خیال کر سکیں۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام سے قبل بعض قوموں میں پردے کا وجود قائم رہا ہے۔

جہاں تک میں نے اس موضوع سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اس کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ قدیم ایران، یہودی قوم اور احتمالاً اہلِ ہند میں بھی پردے کا رواج رہا ہے اور انکا قانون پردے کے اسلامی قانون سے زیادہ سخت مشاہدہ میں آیا ہے لیکن عرب کے دورِ جاہلیت میں پردہ موجود نہیں تھا اور یہ خصوصیت اسلام کے ذریعے عربوں میں پیدا ہوئی۔

ویل دوراں (WILL DURANT) تاریخ تمدن میں (فارسی ترجمہ۔ جلد ۱۲ صفحہ ۳۰) یہودی قوم اور اسکے قانون پردہ کے بارے میں لکھتا ہے:

"اگر کسی عورت سے یہودی قانون پردہ کی خلاف ورزی سرزد ہوتی، مثلاً وہ برہنہ سر لوگوں کے درمیان آتی یا شارعِ عام میں سوت کاتتی یا ہر قسم کے افراد سے اپنا دکھڑا کہتی یا اتنی بلند آواز میں گفتگو کرتی کہ پڑوسی اس کی آواز سن لیں تو اس کے مرد کو یہ حق تھا کہ وہ اس کا مہر ادا کیے بغیر اسے طلاق دیدے۔"

غرضیکہ قوم یہود میں دستور پردہ، اسلامی پردے سے کہیں زیادہ سخت اور مشکل رہا ہے جسے ہم بعد میں تفصیلاً عرض کریں گے۔

مصنف "تاریخِ تمدّن" جلد ۱ صفحہ ۵۵۲ پر قدیم ایرانیوں کے بارے میں لکھتا ہے:

"زرتشت کے زمانے میں عورتوں کا بڑا اُونچا مقام تھا اور وہ کھلے چہروں کے ساتھ بڑی آزادی سے لوگوں میں آمدورفت کیا کرتی تھیں۔"

اس کے بعد وہ لکھتا ہے:

"داریوش کے بعد خاص طور پر سرمایہ دار طبقے میں عورت کا مقام پست ہو گیا۔ معاشی طور پر بدحال عورتوں کو چونکہ کام کاج کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان آنا پڑتا تھا اس لیے انکی آزادی برقرار رہی لیکن دوسری عورتوں کے بارے میں چونکہ اُن پر مہینے کے خاص دنوں میں گوشہ نشینی واجب قرار پاگئی تھی لہٰذا آہستہ آہستہ گوشہ نشینی کے اس وقفے نے وسعت اختیار کی اور انکی پوری

اجتماعی زندگی اس کی لپیٹ میں آگئی اور مسلمانوں کے ہاں بھی پردے میں یہی بات پائی جاتی ہے۔ اونچے گھرانے کی عورتوں کو یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ پالکی کے بغیر گھر سے نکلیں۔ انہیں ہرگز کھلے بندوں مردوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ شادی شدہ عورتوں کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنے شوہروں کے سوا کسی مرد کو دیکھیں خواہ وہ مرد اُن کا باپ یا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ قدیم ایران کے آثار میں ہم کسی عورت کے عمل و دخل کی کوئی صورت نہیں دیکھتے اور کہیں بھی عورتوں کا تذکرہ نہیں ملتا۔"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قدیم ایران میں پردے کی سختی کا کیا عالم تھا کہ جہاں شادی شدہ عورت کے لیے اس کے باپ اور بھائی بھی نامحرم تھے۔

ویل ڈورینٹ کے خیال کے مطابق وہ شدید قانون جس میں قدیم پارسی قوانین کے مطابق عورت اپنے ایام کے دوران ایک کمرے میں محبوس ہو جایا کرتی تھی اور سب اس سے دوری اختیار کرتے تھے' دراصل قدیم ایران میں پردے کا اصل سبب بنی ہے۔

یہودی بھی حائض عورتوں کے بارے میں کچھ ایسا ہی دستور رکھتے تھے لیکن اس جملے سے کہ:

"مسلمانوں میں بھی پردے کے معاملے میں یہی بات پائی جاتی ہے۔ اس سے اُسکی مراد کیا ہے۔ کیا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں پردے کے رواج کا سبب

بھی وہی سخت قوانین ہیں جو ایک حائض عورت پر لاگو کیے جاتے ہیں؟ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں ہرگز اس قسم کا نہ پہلے کوئی قانون تھا اور نہ اب ہے۔ حائض عورت کو صرف نماز و روزہ جیسی چند واجب عبادات سے روکا گیا ہے، اس کے علاوہ ان ایام میں اس سے قربت بھی جائز نہیں ہے لیکن دوسروں کے ساتھ معاشرت کے اعتبار سے اس کے لیے کوئی ممانعت نہیں ہے کہ جس کے سبب وہ عملاً گوشہ نشینی پر مجبور ہو جائے۔

اور اگر مراد یہ ہے کہ مسلمانوں میں رائج پردہ وہ رسم ہے کہ جو ایرانیوں کے مسلمان ہونے کے بعد تمام مسلمانوں میں سرایت کر گئی تو یہ بھی خلاف واقع ہے اس لیے کہ ایرانیوں کے مسلمان ہونے سے قبل پردے سے متعلق آیات کا نزول ہو چکا تھا۔

"ویل ڈوراں" کی اس سے مابعد کی گفتگو سے ان دونوں باتوں کا پتا چلتا ہے یعنی وہ یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ پردہ ایرانیوں کے مسلمان ہونے کے بعد مسلمانوں میں رائج ہوا اور اس بات کا بھی دعوے دار ہے کہ حائض عورت سے ترکِ قربت مسلمان عورتوں کے پردے یا کم از کم انکی گوشہ نشینی میں موثر رہا ہے۔

وہ اپنی کتاب (فارسی ترجمہ) جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۲ پر لکھتا ہے:

"عربوں کا ایرانیوں سے میل جول اسلامی دنیا میں پردے اور لواطہ کے رواج کا باعث ہوا۔ عربوں کو عورتوں کی دلفریبی پر بدگمانی رہتی تھی اور وہ ہمیشہ سے ان کے دلدادہ بھی تھے،

تاہم وہ مردانہ غرور کے تحت ان کی عزت وعفت سے انکاری
اوران کی فطری جاذبیت پر پردہ ڈالنا چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ
اپنی قوم سے کہتے تھے: عورتوں سے مشورہ کرو اوران کی رائے
کے خلاف عمل کرو" لیکن پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں نے
اپنی عورتوں کو پردہ نہیں کرایا تھا۔ زن ومرد ایک دوسرے
سے آزادانہ ملتے، سڑکوں پر پہلو بہ پہلو چلتے اور مسجد میں ایک
دوسرے کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔"

پردہ اور خواجہ سرائی کا دستور ولید دوم کے زمانے (۱۲۶-۱۲۷ ہجری)
میں رائج ہوا۔ عورتوں کی گوشہ نشینی اس لیے عمل میں آئی کہ وہ ایام حیض ونفاس
میں مردوں پر حرام تھیں۔

اور پھر صفحہ ۱۱۱ پر یوں رقمطراز ہے:

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریشمی پوشاک پہننے کی
ممانعت کی تھی لیکن بعض عربوں نے اسے نظرانداز کردیا تھا۔
ہر طبقہ میں زیورات کا رواج تھا۔ عورتیں اپنے آپ کو بلاؤز اور
زرق برق کمربند اور زنگارنگ کے ڈھیلے ڈھالے لباس سے آراستہ
کرتی تھیں۔ وہ اپنے بالوں کو بڑے سلیقے کے ساتھ جوڑے، چوٹی
یا پھر سیاہ ریشمی پراندے سے مزید زینت دیکر عقب سر
ڈال دیا کرتی تھیں اور کبھی یہ بال ان کے دونوں شانوں پر بکھرے
رہتے تھے۔ غالباً وہ جواہرات اور پھولوں سے بھی اپنے آپ

کو مزین کرتی تھیں۔ ۹۰ھ ہجری کے بعد سے انہوں نے اپنے
چہرے کو آنکھوں کے نچلے حصے تک ڈھانپنا شروع کیا اور اس
کے بعد یہ عادت رواج پا گئی"۔

"ویل دوراں" تاریخ تمدن جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۳ میں قدیم ایرانیوں
کے بارے میں کہتا ہے:

"داشتہ رکھنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ داشتائیں یونانی
معشوقاؤں کی طرح آزاد تھیں اور ضیافتوں میں مردوں کے ساتھ
شرکت کرتی تھیں لیکن منکوحہ عورتیں عام طور پر گھروں میں پابند
رہتی تھیں۔ یہ قدیم ایرانی رسم بعد میں اہل اسلام کو منتقل ہو گئی"۔

"ویل دوراں" اس طرح گفتگو کرتا ہے گویا پیغمبر اسلامؐ کے زمانے
میں پردے سے متعلق کسی دستور العمل کا وجود ہی نہیں تھا۔ آپؐ نے صرف ڈھیلے
لباس کی ممانعت کی تھی اور مسلمان عورتیں پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری
صدی ہجری کے اوائل تک مکمل بے پردگی کے ساتھ لوگوں میں آیا جایا کرتی تھیں
حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور تاریخ قطعی طور پر اس کے خلاف گواہی دیتی ہے۔
بے شک زمانۂ جاہلیت کی عورت "ویل دوراں" کی تعریف کے مطابق ہے،
لیکن اسلام نے اس سلسلے میں ایک انقلاب برپا کیا۔ حضرت عائشہ انصار کی
عورتوں کی مدحت ان الفاظ میں کرتی تھیں:

"شاباش ہے انصاری عورتوں پر کہ جونہی سورۂ نور کی آیتیں
نازل ہوئیں، ان میں کی ایک بھی ایسی دکھائی نہیں دی جو سابقہ

انداز میں گھر سے باہر نکلے۔ تمام عورتوں نے اپنے سروں کو سیاہ چادروں سے ڈھانپ لیا گویا کوّے ان کے سروں پر بیٹھے ہوں۔"[1]

سنن ابوداؤد جلد ۲۔ صفحہ ۳۸۲ پر اسی موضوع کو جناب ام سلمہؓ سے نقل کیا گیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

"سورہ احزاب کی آیت ۵۹ "یدنین علیهن من جلابیبهن" کے نزول کے بعد انصاری عورتوں نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا۔"

"کینٹ گوبینو" بھی اپنی کتاب "ایران میں تین سال" میں اس بات کا معتقد ہے کہ ساسانی دور کا سخت پردہ، دورِ اسلام میں ایرانیوں کے درمیان باقی رہا۔ اس کا خیال ہے کہ ساسانی دور میں صرف پردہ ہی مسئلہ نہ تھا بلکہ وہاں تو عورتوں کو مخفی رکھا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ شہزادوں اور زردشتی مذہبی رہنماؤں کی خود سری کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص اپنے گھر کی خوبصورت لڑکی کو چھپا کر رکھتا اور حتی الامکان ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا اس لیے کہ اگر انہیں یہ علم ہو جاتا تھا کہ کسی شخص کے گھر میں کوئی خوبصورت خاتون موجود ہے تو پھر اس کا یا اپنی جان کا مالک نہ رہتا تھا۔

بھارت کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کا بھی یہی خیال تھا کہ پردہ روم اور ایران کی غیر مسلم اقوام سے دنیائے اسلام میں داخل ہوا۔ انہوں نے

---

[1] تفسیر کشاف (سورۂ نور۔ آیت ۳۱)

اپنی کتاب "تاریخ عالم پر ایک نظر" (A GLANCE AT THE WORLD HISTORY) جلد ا صفحہ ۲۲۸ میں اسلامی تمدن کو سراہتے ہوئے ان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو بعد میں پیدا ہوئیں۔ وہ کہتے ہیں:

"ایک اور بڑی اور افسوسناک تبدیلی تدریجاً رونما ہوئی اور وہ عورتوں کے بارے میں تھی۔ عرب عورتوں میں پردہ کا رواج نہ تھا۔ وہ مردوں سے چھپ کر اور ان سے الگ زندگی بسر نہیں کرتی تھیں، بلکہ عام تقریبات میں شرکت کرتی تھیں۔ مجلس، وعظ اور مساجد میں جایا کرتی تھیں بلکہ خود بھی وعظ اور تقریریں کیا کرتی تھیں لیکن عربوں نے اپنی کامیابیوں کے زیر اثر رفتہ رفتہ ان مراسم کو اپنایا جو ان کے دو پڑوسی ممالک روم اور ایران میں رائج تھے۔ انہوں نے روم اور ایران کی شہنشاہیت پر غلبہ پایا مگر خود ان شہنشاہیوں کے غیر پسندیدہ آداب و عادات کے اسیر رہے اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ قسطنطنیہ اور ایران کی شہنشاہیت کا اثر و نفوذ تھا جس نے مردوں سے عورتوں کی جدائی اور پردہ نشینی کو عربوں میں رواج دیا اور "حرم" کا نظام عمل میں آیا اور مرد و زن ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔"

یہ ایک غیر حقیقی گفتگو ہے، فقط بعد کے زمانے میں غیر عرب تازہ مسلمانوں سے عربوں کے میل جول نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں

مروج پردہ کو زیادہ سخت کر دیا نہ یہ کہ اسلام نے بنیادی طور پر پردہ کے مسئلہ کو اہمیت ہی نہیں دی ہے۔

نہرو کے اظہار خیال سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اہل روم بھی (شاید قوم یہود کے زیر اثر) پردے کی خصوصیت کے حامل تھے اور اس رسم "حرم سراداری" نے روم اور ایران سے اسلامی خلفاء کے دربار میں راہ پائی۔ اس نکتہ کی دوسروں نے بھی تائید کی ہے۔

ہندوستان میں بھی نہایت سخت اور شدید قسم کا پردہ رائج تھا لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ وہ اسلام سے پہلے بھی وہاں رائج تھا یا اس کے بعد وجود پذیر ہوا اور غیر مسلم آبادی نے مسلمانوں اور خاص طور پر ایرانی مسلمانوں سے اسے اپنایا۔ جو بات مسلّم ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کا پردہ بھی قدیم ایرانی پردہ کی طرح شدید رہا ہے۔ تاریخ تمدن کی دوسری جلد میں "ویل ڈورنٹ" کی گفتگو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل ہند کا پردہ مسلمان ایرانیوں کے ذریعے ہندوستان میں رائج ہوا۔

نہرو اپنی اس تمام گفتگو کے بعد کہتا ہے:

> "افسوس کہ یہ غیر مرغوب رسم آہستہ آہستہ اسلامی معاشرے کی ایک خصوصیت بن گئی اور ہندوستان نے بھی مسلمانوں کے یہاں آنے پر اسے ان سے سیکھ لیا۔"

نہرو کے خیال کے مطابق ہندوستان کا پردہ مسلمانوں کے ذریعے اس سرزمین میں وارد ہوا ہے لیکن اگر ہم ریاضت اور ترک لذت کے رجحان کو پردے

کے ظہور کا سبب جانیں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ہندوستان نے قدیم ترین ایام سے پردہ کو اپنایا ہے کیونکہ وہ ریاضت اور مادی لذتوں سے نفرت کے تصور کا ایک قدیم مرکز واقع ہوا ہے۔

"رسل"[1] اپنی کتاب "ازدواج اور اخلاق" کے صفحہ ۱۳۵ پر رقمطراز ہے:

> "جیسے موجودہ مہذب معاشروں میں جنسی تعلقات پائے جاتے ہیں، ان کے دو محرک ہیں۔ جن میں سے پہلے محرک کو تعیینِ پدر اور دوسرے کو عشق کی آلودگی پر راہبانہ اعتقاد کہا جا سکتا ہے۔ زمانۂ ماقبل مسیح اور مشرقِ بعید کے ممالک میں آج تک جو جنسی تعلقات پائے جاتے ہیں وہ اسی پہلے محرک ہی کا نتیجہ ہیں لیکن ہندوستان اور ایران اس پہلے محرک سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ بظاہر یہی وہ مقامات ہیں جہاں جنسی تعلق سے پرہیز عمل میں آیا اور پھر وہاں سے ساری دنیا میں پھیل گیا۔"

بہرحال جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ اسلام سے قبل دنیا میں پردے کا وجود رہا ہے اور اسلام اس کا موجد نہیں ہے لیکن یہ بات کہ اسلامی پردے کے حدود و قدیم اقوام میں رائج پردے سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں؟ نیز یہ کہ جو علت اور جو فلسفہ اسلام کے اعتبار سے پردہ کو واجب قرار دیتا ہے کیا وہی علت اور وہی فلسفہ دنیا کے دیگر مقامات میں بھی پردے کے ظہور کا سبب ہے؟ ہم اسے کتاب کے آئندہ حصوں میں تفصیل سے پیش کریں گے۔

---

[1] برٹرینڈ رسل ایک انگریز دانشمند اور فلسفی ہے۔ اس کا شمار حریت پسندوں میں بھی ہوتا ہے، وہ ۱۸۷۲ء کو آئرلینڈ میں پیدا ہوا۔ رسل دنیا کا مانا ہوا ریاضی دان مانا جاتا ہے۔ روح اور اس کا تجزیہ۔ ازدواج اور اخلاق خوش قسمتی پر تسلط۔ جیل کے چھ مہینوں کی یادیں۔ مغربی فلسفہ کی تاریخ۔ عرفان و منطق اور اصول ریاضیات اس کی یادگار تحریریں ہیں۔

دوسرا باب

رواجِ پردہ کے اسباب

پردے کے ظہور کا سبب اور اس کا فلسفہ کیا ہے؟ وہ کس طرح لوگوں یا بعض قدیم اقوام میں ظہور پذیر ہوا؟ اسلام نے جو ایک ایسا دین ہے کہ جس کے تمام قوانین کسی نہ کسی فلسفہ کے حامی ہیں، کیوں اور کس مصلحت کی بنیاد پر پردہ کی تائید یا تاسیس کی؟

پردے کے مخالفین کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ ظالمانہ اقدامات کو پردے کے ظہور کا سبب قرار دیں۔ وہ اس سلسلے میں اسلامی اور غیر اسلامی پردے میں تفریق نہیں کرتے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی پردہ بھی انہی ظالمانہ اقدامات کی پیداوار ہے۔

پردے کے وجود پذیر ہونے کے اسباب میں مختلف نظریات بیان کیے گئے ہیں جن میں زیادہ تر یہ کوشش کی گئی ہے کہ پردے کو ایک ظالمانہ اور جاہلانہ عمل ظاہر کیا جائے۔ اس سلسلے میں جو نظریات ہم تک پہنچے ہیں وہ

منطقی، اجتماعی، اخلاقی، اقتصادی اور نفسیاتی پہلوؤں کے حامل ہیں جنہیں ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:

۱- ریاضت اور رہبانیت کی طرف میلان۔ (منطقی سبب)

۲- عدم تحفظ اور عدم عدالت۔ (اجتماعی سبب)

۳- مرد کا عورت پر تسلط، اس پر حکمرانی اور اقتصادی فوائد کے حصول کی خاطر اس کی توانائیوں کا استحصال۔ (اقتصادی سبب)

۴- مرد کا جذبہ حسد اور خود خواہی۔ (اخلاقی پہلو)

۵- عورت کے مخصوص ایام اور یہ احساس کہ وہ خلقت میں مرد سے کمتر واقع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ وہ سخت قوانین جن کے تحت عورت کی ناپاکی کے دنوں میں اس سے ترک معاشرت اختیار کی جاتی تھی۔ (نفسیاتی پہلو)

یہ مذکورہ اسباب کسی بھی صورت میں دنیا کے کسی خطہ میں پردے کے وجود پذیر ہونے میں موثر نہیں رہے ہیں اور بلا وجہ انہیں پردے کے ظہور کا سبب قرار دیا گیا ہے اور بفرض محال اگر بعض غیر اسلامی مذاہب میں موثر رہے ہیں تو اس سے اس حکمت اور فلسفہ کا کوئی سروکار نہیں کہ جو اسلام میں پردے کی تشریع کا سبب ہوا۔

جیسا کہ ہم ملاحظہ کر رہے ہیں پردے کے مخالفین کبھی پردے کو دنیا اور اس کی لذتوں کے بارے میں ایک خاص منطقی طرز فکر کی پیداوار قرار دیتے ہیں اور کبھی اس کے لیے سیاسی اور اجتماعی پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہیں اور کبھی اسے اقتصادی اسباب کا نتیجہ بتاتے ہیں یا پھر اخلاقی یا نفسیاتی پہلوؤں کو اس کی وجود پذیری میں دخیل گردانتے ہیں۔

ہم ان تمام اسباب کا تذکرہ کر کے ان پر تنقید کریں گے اور ثابت

کریں گے کہ اسلام اپنے اجتماعی فلسفہ میں مذکورہ اسباب سے کسی بھی طرح متاثر نہیں ہوا اور ان میں سے کوئی بھی اسلام کے جانے پہچانے مسلّم اصولوں سے توافق نہیں رکھتا۔ آخر میں ہم ایک بنیادی سبب کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ہماری نظر میں ان سب سے زیادہ بہتر سمجھا جاتا ہے۔

ریاضت اور رہبانیت

ریاضت اور رہبانیت کی پردے سے وابستگی کا سبب یہ ہے کہ چونکہ عورت، مرد کی مسرت و کامرانی کا سب سے بڑا موضوع ہے۔ لہٰذا اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل کر رہیں تو بہرطور ان کی توجہ حصول لذت اور شادکامی کی طرف جائے گی۔

رہبانیت اور ترک لذت سے وابستہ افراد ماحول کو پوری طرح زہد و ریاضت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے زن و مرد کے درمیان حجاب کے قائل ہوتے ہیں اور انہوں نے پردے کو رواج دیا۔ ان کا یہ عمل صرف عورت تک محدود نہیں تھا بلکہ ہر وہ چیز جو عورت کی طرح لذت اور لطف اندوزی کی محرک تھی، انہوں نے ان سب کے ساتھ جنگ کی۔ اس نظریے کے مطابق پردے کی ظہور پذیری، ازدواج کو اچھا نہ سمجھنے اور تنہائی پسندی کو مقدس جاننے کا نتیجہ ہے۔

ریاضت اور ترک دنیا کے نظریہ نے جس طرح دولت کے بارے میں فقر پسندی اور دنیا اور اس سے متعلق تمام مادّی وسائل کو ٹھکرانے کا فلسفہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح عورت کے بارے میں بھی تجرّد اور خوبصورتی کی مخالفت اس کا مطمح نظر ہے۔ بالوں کو نہ تراشنے کا عمل جو سکھوں، ہندوؤں

نقاطِ عالم میں پایا جاتا ہے اور ان کے مراکز مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں یونان رہے ہیں۔ فلسفہ سے تعلق رکھنے والی "کلبی" جماعت جسے یونان میں بڑا فروغ حاصل تھا "فقر" کی حامی اور مادی لذتوں کی مخالف تھی۔[1]

اس قسم کے افکار و خیالات کے ظہور کا ایک سبب بشر کا حصولِ حقیقت سے لگاؤ بھی ہے۔ یہ لگاؤ بعض افراد میں غیر معمولی شدت کا حامل ہے اور اگر اس میں یہ خیال بھی شامل ہو جائے کہ روح پر انکشافِ حقیقت اسی وقت ممکن ہے جب بدن اور اس کی خواہشات کی تحقیر کی جائے تو ریاضت اور رہبانیت اس کا لازمی نتیجہ ہو گا۔ دوسرے الفاظ میں یہ سوچ کہ حق تک پہنچنا

---

[1] کلبی جماعت کا مورثِ اعلیٰ "انٹیس تھنیس" نامی سقراط کا ایک شاگرد ہے۔ وہ اپنے استاد کی طرح اکتسابِ فضیلت کو مقصدِ حیات جانتا تھا لیکن فضیلت اس کی نگاہ میں تمام جسمانی اور روحانی مفادات سے ترکِ تعلق تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے اور اس کی جماعت کو "کلبی" اس لیے کہا جاتا تھا کہ "انٹیس تھنیس" کی تقریریں "ایتھنز" شہر کے اس علاقے میں ہوا کرتی تھیں جسے بعض وجوہات کی بنا پر "سفید کتا" کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے پیروکاروں نے دنیا اور علائقِ دنیا سے صرفِ نظر میں اس حد تک مبالغہ کیا کہ وہ رہن سہن کے آداب و رسوم اور متمدن زندگی کی ضروریات سے دستبردار ہو گئے اور انہوں نے جانوروں کی سی زندگی اختیار کی۔ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر پھٹے پرانے کپڑوں اور الجھے بالوں کے ساتھ (آج کل کے ہپیوں کی طرح) لوگوں کے درمیان آتے اور کسی کا لحاظ کیے بغیر جو جی میں آتا کہہ گزرتے۔ انہیں اپنے فقر اور درد و رنج سہنے کی عادت پر بڑا افتخار تھا۔ وہ ان تمام قیود و حدود سے دستبردار ہو گئے تھے جو اجتماعی زندگی میں نوعِ بشر کے لیے ضروری ہیں (یورپ میں فروغِ علم۔ جلد ۱۔ صفحہ ۷)

اور بعض درویشوں میں رائج ہے۔ اسی خوبصورتی سے مخالفت، شہوات سے جنگ، ترکِ لذت اور ریاضت سے میلان کا رجحان ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بالوں کو تراشنا اور انہیں چھوٹا کرنا جنسی رغبت میں اضافے کا سبب ہے۔

اس موقع پر برٹرینڈ رسل کی گفتگو قابلِ ذکر ہے۔ وہ اپنی کتاب "ازدواج اور اخلاق" کے صفحہ ۳۰ پر لکھتا ہے:

"خاص طور پر مسیحیت کی ابتدائی صدیوں میں سینٹ پال (مقدس پولس) کا طرزِ تفکر چرچ سے بڑی شدومد کے ساتھ پھیلایا گیا کہ تجرد کو تقدس کا درجہ حاصل ہو گیا۔ بے شمار لوگ بیابانوں کی طرف چل نکلے تاکہ اس شیطان کو مغلوب کریں جو ان کے اذہان کو شہوانی تصورات کی آماجگاہ بنائے رکھتا ہے۔ چرچ نے غسل اور بدن کی صفائی کی بھی مخالفت کی کیونکہ انسانی بدن کے اعضا اسے گناہ کی طرف راغب کرتے ہیں۔ چرچ نے بدن کے میل کو بھی تحسین کی نگاہ سے دیکھا اور جسم سے نکلنے والی بدبو نے بھی مقامِ تقدس پا لیا، کیونکہ سینٹ پال کی نظر میں بدن کی صفائی اور سجاوٹ، روح کی پاکیزگی سے میل نہیں کھاتی۔ اس نے جسم اور لباس کی غلاظت سے پیدا ہونے والی جوؤں کو خدا کا موتی قرار دیا تھا۔"

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر ریاضت اور رہبانیت سے نوعِ بشر کی رغبت کا سبب کیا ہے؟ انسان کو فطرتاً شادکام اور لذت طلب ہونا چاہیے۔ لذت سے پرہیز اور خود کو اس سے محفوظ رکھنے کی کوئی تو دلیل ہوگی؟ ہم جانتے ہیں کہ رہبانیت اور لذت سے نفرت وہ سلسلہ ہے جو بیشتر

بجز فنا، نیستی اور ہوائے نفس کی مخالفت کے ممکن نہیں، ریاضت اور رہبانیت کے ظہور کا اصلی سبب ہے۔

ریاضت کے وجود میں آنے کا سبب مادی لذتوں سے بعض حقیقی تکلیفوں کا اتصال ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ مادی لذتوں میں روحانی اذیتوں کا وجود پایا جاتا ہے۔ مثلاً یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ اگرچہ صاحبِ دولت ہونا بے پناہ خوشیوں اور کامیابیوں کا موجب ہے لیکن اس کے حصول اور حفاظت میں ہزارہا تکالیف، مصائب اور ذلتوں کا سامنا ہے۔ انسان نے جب یہ دیکھا کہ وہ اپنی آزادی، استغنا اور طبع بلند کو ان مادی لذتوں کے باعث کھو رہا ہے تو اس نے تمام لذتوں سے منہ پھیر لیا اور تجرّد اور استغنا کو اپنا شعار بنایا۔ شاید اہل ہند کی ریاضت میں پہلا سبب اور یونانی کلبیوں کی فقر طلبی میں دوسرا سبب کارفرما رہا ہے۔

ریاضت اور لذت سے گریز کا ایک اور سبب بھی بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مادی کامیابیوں میں محرومیت اور شکست، خاص طور پر عشق میں ناکامی انسان کی توجہ کو ریاضت کی سمت معطوف کرتی ہے۔ ایسی ناکامیوں کے بعد انسان مادی لذتوں سے انتقام لینے کے لیے انھیں حرام قرار دیتا ہے اور اس کے لیے ایک نیا فلسفہ بیان کرتا ہے۔

عیش و آرام میں زیادتی بھی ریاضت کی طرف میلان کا ایک سبب ہے حصولِ لذت کے لیے انسان کی جسمانی ظرفیت محدود ہے اور جب یہ عمل حد سے بڑھ جاتا ہے تو روح پر اس کا ردِ عمل خاص طور پر پیرانہ سالی میں بڑا شدید ہوتا ہے اور اس سے تھکاوٹ اور اضمحلال جنم لیتے ہیں۔

ان دو اسباب کی تاثیر ناقابلِ انکار ہے لیکن مسلماً ہم انھیں قطعی قرار

نہیں دے سکتے۔ ان دو اسباب کی تاثیر یہ ہے کہ ناکامیوں یا تھکاوٹ اور فرسودگی کے بعد روح میں حقیقت کو پالینے کا خیال جاگ اٹھتا ہے۔ مادی افکار میں ڈوبا رہنا انسان کو ازلیت، ابدیت اور جاودانی حقیقت کے بارے میں سوچنے سے روکتا ہے اور اس امر کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا کہ وہ کہاں سے آیا ہے، اب کہاں ہے اور اسے کدھر جانا ہے لیکن جونہی مادی امور میں ناکامی اور خستگی کے باعث اس میں گریز اور بیزاری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، بھولے ہوئے افکار اپنا راستا ہموار پاکر ابھرنے لگتے ہیں۔ یہ دونوں اسباب ہمیشہ پہلے سبب کی معاونت کے ساتھ لوگوں کو ریاضت کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ افراد جو ریاضت کا بیڑا اٹھاتے ہیں دوسرے اسباب سے ہٹ کر انہی دو اسباب کے زیرِ اثر اس میدان کا رُخ کرتے ہیں۔

تبصرہ:

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کے نقطۂ نظر اور اس طرزِ فکر سے کہ جسے اسلام نے پوری دنیا کے لیے پیش کیا ہے، کیا پردے کی یہ توجیہ و تعلیل درست ہے؟

خوش قسمتی سے اسلام ایک روشن طرزِ فکر کا حامل ہے۔ انسان، دنیا اور لذت کے بارے میں اس کا نظریہ بڑا واضح ہے اچھی طرح سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ میں ایسی فکر پائی جاتی ہے یا نہیں؟

ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ رہبانیت اور ترک لذت، دنیا کے مختلف مقامات پر موجود رہی ہے اور شاید وہ مقامات جہاں ایسی فکر حکم فرما ہے وہاں پردے کو اس کا نتیجہ سمجھا جائے، لیکن پردے کا تعین کرنے والے اسلام نے کہیں بھی ایسے کسی سبب کو دلیل قرار نہیں دیا اور نہ ہی ایسا فلسفہ

روح اسلام اور اس کے دیگر قوانین سے مطابقت رکھتا ہے۔

اصولی طور پر اسلام نے ریاضت اور رہبانیت سے متعلق افکار سے جنگ کی ہے اور اس بات کو یورپی مستشرقین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اسلام نے سر کی جوئں کو اللہ کا موتی قرار نہیں دیا ہے بلکہ صفائی اور پاکیزگی کی تلقین کی ہے: "النظافة من الایمان" رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک شخص کو اس حال میں دیکھا کہ اس کے بال بکھرے اور کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "من الدین المتعة"[1] یعنی اللہ کی نعمتوں سے تمتع اور استفادہ دین کا حصہ ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: "بئس العبد القاذورة"[2] یعنی بدترین بندہ، غلیظ اور ناپاک انسان ہے۔ امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام فرماتے ہیں: "ان اللہ جمیل یحب الجمال"[3] خداوند عالم خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: خداوند عالم کی ذات مرقع حسن ہے اور وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا بندہ اپنے آپ کو سنوارے اور ستھرا رکھے، لیکن اس کے برعکس اسے ناداری اور بدحالی پسند نہیں۔ آپ نے فرمایا اگر خداوند عالم نے تمہیں کسی نعمت سے نوازا ہے تو ضروری ہے کہ اس نعمت کا اثر تمہاری زندگی میں ظاہر ہو۔ آپ سے پوچھا گیا کہ خدا کی نعمت کا اثر کیونکر ظاہر ہو گا؟ آپ نے فرمایا اس طرح کہ انسان اپنا لباس صاف ستھرا رکھے، اچھی خوشبو استعمال کرے، اپنے گھر کو سفیدی اور رنگ روغن کرے، گھر کے بیرونی حصہ میں جھاڑو لگائے۔ اسکے علاوہ غروب آفتاب سے پہلے اپنے گھر کی بتیاں روشن کرے کہ یہ امر وسعتِ رزق کا سبب ہے[4]۔

---

[1]، [2]، [3] وسائل۔ جلد ا۔ صفحہ ۲۷۷

[4] وسائل جلد ا۔ صفحہ ۲۷۸

قدیم ترین کتابوں میں سے ایک ہزار سال پرانی کتاب "کافی" کہ جو ہماری دسترس میں ہے، اس میں "باب الزی والتجمل" کے عنوان سے ایک باب موجود ہے۔ اسلام نے بالوں کی کنگھی، خوشبو کے استعمال اور سر میں تیل ڈالنے کی سخت ہدایت کی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اصحاب نے بہتر اور بیشتر عبادت اور روحانی لذتوں سے بہرہ مند ہونے کے لیے بیوی بچوں سے کنارا کیا۔ وہ تمام دن روزہ رکھتے اور شب عبادت میں گزارتے تھے۔ جونہی یہ بات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوئی، آپ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا میں تمہارا پیشوا ہوتے ہوئے بھی ایسا نہیں کرتا ہوں، فقط رات کے ایک حصے میں عبادت میرا معمول ہے۔ انہیں افراد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی تھی کہ وہ اپنے آپ کو جنسی اعتبار سے ناکارہ بنا لیں۔ آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ اسلام ان باتوں کو حرام قرار دیتا ہے۔

ایک دن تین عورتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے شوہروں کی شکایات لائیں۔ ایک نے کہا: میرے شوہر نے گوشت کھانا چھوڑ دیا ہے۔ دوسری نے عرض کیا، میرا شوہر خوشبو سے اجتناب کرتا ہے۔ تیسری نے کہا، میرا شوہر عورتوں سے دوری اختیار کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غصے کی اس کیفیت میں کہ ان کی ردا زمین پر گھسٹ رہی تھی، گھر سے مسجد کا رخ کیا اور منبر پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا: آخر کیوں میرے اصحاب میں سے بعض نے گوشت، بعض نے خوشبو اور بعض نے عورتوں سے پرہیز کر رکھا ہے جبکہ میں خود ان تمام چیزوں سے استفادہ کرتا

ہوں؟ جو کوئی بھی میری روش سے اعراض کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں ہے۔[1]

عربوں میں رائج غیر معمولی لمبی پوشاک کے برخلاف جو زمین پر گھسٹتی چلی جاتی تھی قدرے اونچے لباس کا حکم اس صفائی اور پاکیزگی کی خاطر ہے کہ جو ابتدائی آیات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوئیں: "وثیابک فطھر[2]"۔

اسی طرح سفید پوشاک زیب تن کرنے میں استحباب کے دو وجوہات ہیں ایک خوبصورتی اور دوسرے اس کا صاف ستھراپن۔ کیونکہ سفید لباس میل کو زیادہ وضاحت سے نمایاں کرتا ہے اور اس موضوع کی طرف روایتوں میں اشارہ ہوا ہے: "البسوا البیاض فانہ اطیب و اطھر[3]" رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب اپنے اصحاب کے پاس جانا چاہتے تھے تو آئینہ دیکھتے۔ اپنے بالوں کو کنگھی فرماتے اور اپنے آپ کو آراستہ کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے خداوند عالم کے نزدیک وہ بندہ پسندیدہ ہے جو دوستوں کے پاس جانے سے پہلے اپنے آپ کو آمادہ و آراستہ کرتا ہے۔[4]

---

[1] کافی۔ تالیف محمد بن یعقوب کلینی۔ جلد ۵۔ صفحہ ۴۹۶ اور وسائل۔ جلد ۳۔ صفحہ ۴۱، اپنے آپ کو جنسی اعتبار سے ناکارہ کرنے کی نہی کے سلسلے میں رجوع فرمائیں۔ صحیح بخاری جلد ۷، صفحات ۴-۵ اور ۴۰۔ صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۲۹ اور ہندوستان میں چھپنے والی جامع ترمذی صفحہ ۱۷۳۔

[2] اپنے کپڑوں کو صاف ستھرا رکھیے۔ (سورۃ مدثر۔ آیت ۴)

[3] وسائل جلد ۱۔ صفحہ ۲۸۰

[4] وسائل جلد ۱۔ صفحہ ۲۷۸

قرآن کریم نے وسائلِ تجمل کو بندوں کے لیے الطافِ الٰہی قرار دیا ہے اور دنیا کی زینتوں کو اپنے آپ پر حرام قرار دینے کو سختی سے روکا ہے: "قل من حرم اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق[1]"

احادیث میں آیا ہے کہ ائمہ اطہار علیہم اسلام نے اہلِ تصوف سے بار بار مباحثہ کیا ہے اور ان کے نظریہ کو اسی آیت سے باطل قرار دیا ہے۔[2]

اسلام نے زوجہ اور شوہر کے باہم محظوظ ہونے کی نہ صرف یہ کہ مخالفت نہیں کی ہے بلکہ اس کے لیے اجر و ثواب بھی بتایا ہے۔ شاید ایک انگریز کے لیے یہ بات حیران کن ہو کہ اسلام نے زن و شوہر کی ایک دوسرے سے دل لگی، شوہر کے لیے عورت کا سنگھار اور شوہر کا زوجہ کے لیے خود کو پاکیزہ کرنے کو مستحب جانا ہے۔ پرانے زمانے میں جب چرچ تمام شہوانی لذائذ کا مخالف تھا تو ان باتوں کو ناجائز بلکہ مذاق سمجھا جاتا تھا۔

اسلام نے غیر ازدواجی صورت میں جنسی لذت اندوزی کو سختی سے منع کیا ہے۔ اس بارے میں اس کا اپنا ایک فلسفہ ہے جسے ہم بعد میں بیان کریں گے۔ تاہم اس نے جنسی لذت کے قانونی حدود کے اندر رہنے کو اچھا جانا ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا عورت کی چاہت انبیاء کی صفات میں سے ہے: "من اخلاق الانبیاء حب النساء[3]"

اسلام میں اس عورت کی سرزنش کی گئی ہے جو شوہر کے لیے اپنے بناؤ سنگھار میں کوتاہی کرتی ہے۔ اسی طرح ان مردوں کی بھی مذمت کی گئی ہے جو اپنی عورتوں

---

[1] کہہ دو اے رسولؐ کہ کس نے پاکیزہ روزی اور خدا کی ان زینتوں کو جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے خلق فرمایا ہے حرام قرار دیا ہے۔ (سورۂ اعراف۔ آیت ۳۲)

[2] وسائل جلد ۱ صفحہ ۲۷۹ [3] وسائل الشیعہ جلد ۳۔ صفحہ ۳

کی خوشنودی حاصل نہیں کرتے۔

حسن بن جہم کہتا ہے کہ میں امام علی رضا علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ خضاب لگا رہے تھے۔ میں نے عرض کی آپ نے سیاہ رنگ کا خضاب انتخاب فرمایا ہے؟ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ہاں مرد کی آراستگی، اس کی عورت کی پاکدامنی میں اضافے کا باعث ہے بعض عورتیں اپنی عفت کو اس لیے کھو دیتی ہیں کہ ان کے مرد اپنے آپ کو آراستہ نہیں رکھتے۔[1]

ایک اور حدیث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی گئی ہے کہ:

"تنظفوا ولا تشبھوا بالیھود۔"[2]

یعنی نظافت کو ملحوظ خاطر رکھو اور یہودیوں کے مشابہ نہ ہو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا یہودی عورتوں نے اس لیے زناکاری اختیار کی کہ ان کے شوہر غلیظ اور میلے کچیلے رہتے تھے اور طبیعت ان کی طرف راغب نہیں ہوتی تھی۔ تم اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھو تاکہ تمہاری بیویاں تمہاری طرف مائل ہوں۔

عثمان بن مظعون، اکابر صحابہ رسولؐ سے ہیں۔ انھوں نے چاہا کہ وہ راہبوں کی تقلید میں ترکِ دنیا کریں۔ انھوں نے عورت، گھر اور تلذذات سے ترک تعلق اختیار کیا۔

ان کی زوجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ عثمان نے اپنا یہ وطیرہ بنا لیا ہے کہ دن کو روزہ رکھتا اور تمام رات عبادت گزاری میں بسر کرتا ہے۔ رسولؐ خدا کو یہ بات ناگوار گزری اور آپ ان کے پاس پہنچے۔ عثمان نماز میں مشغول تھے۔ آپ نے ان

---

[1] مکارم الاخلاق صفحہ ۹۱   [2] نہج الفصاحۃ

کی نماز ختم ہونے دی اور پھر کہا: اے عثمان خداوند عالم نے مجھے رہبانیت کا حکم نہیں دیا ہے۔ میرا دین حقیقت پر مبنی اور بہت سادہ اور آسان ہے: "لم یرسلنی اللہ تعالیٰ بالرھبانیه ولکن بعثنی بالحنیفیه السهله السمحه۔[1]"

یعنی خداوند عالم نے مجھے رہبانیت اور ریاضت کے لیے نہیں بھیجا بلکہ مجھے ایک آسان فطری اور درگزر کی حامل شریعت کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں نماز پڑھتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور اپنے ازواج کے ساتھ اپنے ازدواجی تعلقات بھی استوار رکھتا ہوں۔ جو کوئی میرے فطرت سے مطابقت رکھنے والے دین کو پسند کرتا ہے اسے چاہیے کہ میری پیروی کرے۔ ازدواج میری سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔

عدم تحفظ

پردے کے ظہور کا ایک اور سبب عدم تحفظ بیان کیا گیا ہے۔ زمانۂ قدیم میں ناانصافی اور عدم تحفظ کے واقعات کی بہتات تھی۔ لوگوں کا مال و متاع اور ان کی ناموس سرکشوں اور طاقتوروں سے محفوظ نہیں تھی۔ صاحبان دولت اپنی دولت کو دفینوں کی صورت میں زیرِ زمین دفن کرنے پر مجبور تھے۔ خزانوں کے محفوظ رہنے کا سبب یہ تھا کہ صاحبانِ سیم و زر اپنے دفینے کا پتا اس خوف سے اپنے بچوں تک کو نہیں دیتے تھے کہ کہیں ان کا راز بچوں کے ذریعے کھل نہ جائے۔ اس طرح کبھی ایسا اتفاق رونما ہوتا کہ باپ نا گہانی

---

[1] کافی - جلد ۵ - صفحہ ۴۹۴

موت سے راہی ملک عدم ہوا اور اپنے راز سے کسی بچے کو آگاہ نہیں کر سکا' اس کے نتیجے میں اس کی دولت ہمیشہ کے لیے مٹی کے ڈھیر تلے دب جاتی۔" استر ذھبک وذھابک و مذھبک" کا مشہور مقولہ اسی دور کی پیداوار ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی دولت' اپنی منزل سفر اور اپنے عقیدہ کو کسی پر ظاہر نہ کرو۔

جس طرح دولت و ثروت کے لیے کوئی تحفظ نہیں تھا اسی طرح عورت کی ذات بھی محفوظ نہیں تھی۔ خوبصورت عورتوں کے خاوند اپنی عورتوں کو اہلِ زور کی نگاہوں سے محفوظ رکھنے پر مجبور تھے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو ان کی عورت دوسروں کی ملکیت بن جاتی تھی۔

ساسانی دور میں ایران اس قسم کے دردناک واقعات و حادثات سے دوچار رہا ہے۔ شاہزادے' زردشتی علماء حتیٰ کہ رؤسا اور چودھری حضرات بھی جب کسی گھر میں کسی خوبصورت عورت کا نشان پاتے تو اس گھر میں گھس کر اس عورت کو اس کے شوہر سے چھین لیتے تھے۔ اس زمانے میں معاملہ پردے اور حجاب کا نہ تھا بلکہ عورت کو اس طرح چھپانا اور مخفی رکھنا مقصود تھا کہ کسی کو اس کا پتا نہ چلے۔ "ویل دوراں" اس سلسلے میں اپنی کتاب "تاریخِ تمدن" میں قدیم ایران سے متعلق بڑے شرمناک واقعات نقل کرتا ہے۔ "کانٹ گوبینو" اپنی کتاب "ایران میں تین سال" میں لکھتا ہے کہ اس وقت ایران میں رائج پردہ دراصل اسلام سے زیادہ قبل اسلام کے دور سے وابستہ تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ قدیم ایران میں عورتوں کے لیے کوئی تحفظ نہیں تھا۔

نوشیرواں کے بارے میں۔ جو غلط طور پر "عادل" مشہور ہے۔ لکھ

ہے کہ اس نے اپنے فوجی کرنل کی خوبصورت بیوی سے اس کی غیر موجودگی میں تجاوز کیا۔ جب اس کا خاوند گھر لوٹا تو اس کی بیوی نے اسے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بیچارے خاوند نے سوچا کہ بیوی تو ہاتھ سے جا رہی ہے لیکن اب اس کی اپنی جان بھی خطرے میں ہے لہٰذا اس نے فوراً اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ جب نوشیروان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو اس نے مذکورہ کرنل سے کہا: میں نے سنا ہے کہ تم ایک خوبصورت باغ کے مالک تھے اور ابھی حال ہی میں تم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ آخر کیوں؟

کرنل نے جواب دیا: میں نے اس باغ میں شیر کے پنجوں کے نشان دیکھے، مجھے خوف محسوس ہوا کہ کہیں یہ شیر مجھے بھی نہ پھاڑ کھائے۔

نوشیروان ہنسا اور کہا: نہیں۔ اب وہ شیر اس باغ میں نہیں آئے گا۔

اس عدم تحفظ کا تعلق صرف ایران اور اس کے گزشتہ ادوار سے نہیں ہے بلکہ "داستان راستان" میں ہم نے "آدھی رات کی اذان" کی جو داستان نقل کی ہے، اس میں یہ تذکرہ ہے کہ اس طرح کے نہ جانے کتنے واقعات بغداد میں اس وقت رونما ہوئے جب وہاں کے تخت خلافت پر ماوراء النہر کے لوگوں کا قبضہ تھا۔ ابھی ہمارے قریبی دور میں ایک شاہزادے نے اصفہان میں اس طرح کی بہت سی زیادتیاں کیں اور اصفہان کے لوگ اس کے دور حکومت سے متعلق بہت سے واقعات نقل کرتے ہیں۔

تبصرہ:

ہم گزشتہ ادوار کے عدم تحفظ، نا انصافیوں اور اس کے نتیجے میں عورت کی پردہ نشینی کے منکر نہیں ہیں، یقیناً پردے اور اس کے متعلق تصورات کی سختی انہی تاریخی واقعات کا نتیجہ ہے لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا اسلام میں بھی پردے

کا یہی فلسفہ رہا ہے؟

اول تو یہ بات درست نہیں کہ ہمارے دور میں عورت کو مکمل تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ اسی یورپ اور امریکا کی صنعتی دنیا میں جسے ہم غلط طور پر متمدن دنیا کہتے ہیں حیرتناک حد تک زنا بالجبر کے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں۔ جب متمدن دنیا کی یہ کیفیت ہو تو پھر نیم متمدن یا پورے طور پر وحشی قوموں کی کیا صورت ہوگی۔ جب تک دنیا میں شہوت کی حکومت قائم ہے اس وقت تک ناموس کے تحفظ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ واقعے کی صورت مختلف ہوتی ہے۔ کبھی فلاں خان صاحب یا فلاں چودھری صاحب اپنے مسلح آدمی بھیج کر کسی عورت کو اس کے گھر سے اچک لیتے ہیں اور کبھی کسی شب کی محفل میں رقص و سرود کے درمیان اسے اپنے شوہر اور بچوں سے جدا کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے حادثات یا مختلف ذرائع سے اغوا کی وارداتیں ہم آئے دن اخبارات میں پڑھتے ہیں۔

ایرانی روزنامہ "اطلاعات" اپنے ۱۹۴۷-۹-۶ شمسی کے شمارہ میں امریکی عورتیں جنسی حملوں کی زد پر" کے عنوان سے ایک رپورٹ میں لکھتا ہے:

"واشنگٹن۔ ایسوسی ایٹڈ پریس۔ امریکی حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کرنے والے تین محقق ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ امریکا میں لاس اینجلس وہ مقام ہے جسے زنا بالجبر کے واقعات میں اولیت حاصل ہے اور اس سلسلے میں واشنگٹن تیرھویں درجے پر آتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ واشنگٹن میں خواتین جنسی حملوں کی زد میں نہیں ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ اس شہر میں دوسرے شہروں کی نسبت عورتیں کو زیادہ تحفظ حاصل ہے لاس اینجلس میں ہر ایک لاکھ افراد میں ۵۲ افراد زنا بالجبر کے واقعہ

سے دوچار ہوتے ہیں جبکہ واشنگٹن میں اس کا تناسب ۱۶/۷ ہے۔ نیویارک میں چھ ماہ کے عرصے میں آبروریزی کے ۳۰۰۰ واقعات پولیس کے ہاں درج کرائے گئے ہیں۔ شکایات درج کرانے والوں میں چھ سال سے ۸۸ سال تک کی عمر کے افراد شامل ہیں لیکن بیشتر شاکیوں کی عمر ۱۴ سال ہے۔"

پس یہ دعویٰ کہ دورِ حاضر میں عورت کو مکمل تحفظ حاصل ہے اور صاحبان عفت و عصمت کو اس بارے میں مطمئن ہونا چاہیے۔ یہ ایک مفروضے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ثانیاً اگر ہم یہ فرض کریں کہ دنیا میں مکمل طور پر عصمت کو تحفظ حاصل ہے اور اب زنا بالجبر کا کہیں وجود نہیں۔ کسی کی عصمت دری میں اب دونوں کی مرضی شامل ہوتی ہے تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ پردے کے بارے میں اسلام کا کیا نظریہ ہے۔ کیا عدم تحفظ کی بنیاد پر اسے رائج کیا گیا ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ اب جبکہ مکمل طور پہ یہ تحفظ برقرار ہے تو پھر پردے کو رائج رکھنے کے لیے کوئی دلیل باقی نہیں رہتی۔

یقیناً اسلام میں پردے کا سبب عدم تحفظ نہیں ہے اور ہم اسے پردے کے وجود کا بنیادی سبب قرار نہیں دے سکتے اس لیے کہ نہ تو یہ ہمارے اسلامی آثار میں پردے کے اسباب کے عنوان سے پہچنوایا گیا ہے اور نہ ہی ایسی کوئی بات تاریخ سے مطابقت رکھتی ہے۔ جاہل عربوں میں پردے کا رواج نہیں تھا لیکن اس کے باوجود انہیں اپنی خاص قبائلی اور بدوی زندگی کے سبب انفرادی تحفظ حاصل تھا۔ یعنی جس وقت ایران میں پردہ بھی رائج تھا اور انفرادی عدم تحفظ اور عصمت دری کے واقعات حدِ آخر کو پہنچ چکے تھے، عرب قبائل میں اس طرح کی بدفعلی موجود نہیں تھی۔

قبائلی زندگی میں جس تحفظ کی کمی تھی وہ اجتماعی تحفظ تھا اور پردہ اس طرح کے عدم تحفظ کا مداوا نہیں کر سکتا تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر شبخون مارتا اور جو کچھ ہاتھ لگتا لے جاتا، اس لوٹ مار میں عورت اور مرد دونوں اسیر ہوتے اور عورت کا پردہ اسے تحفظ نہیں دے سکتا تھا۔

دورِ جاہلیت کے عربوں کا رہن سہن، آج کل کی مشینی اور صنعتی زندگی سے یکسر مختلف اور متفاوت ہونے کے باوجود اس اعتبار سے دورِ حاضر ہی کے مانند تھا کہ اس میں زنا اور فحشا ہوکی بہتات تھی اور اس میں شوہر دار عورتیں بھی شامل تھیں لیکن ایک خاص طرح کی ڈیموکریسی اور استبدادی حکومت کے فقدان کے سبب کسی کی عورت کو زبردستی اس کے گھر سے باہر نہیں نکالا جا سکتا تھا۔ تاہم یہ فرق قابلِ ملاحظہ ہے کہ وہ انفرادی عدم تحفظ جو آج کے مشینی دور میں ہے اس زمانے میں موجود نہیں تھا۔

پردہ ان لوگوں کے تجاوز سے بچاؤ کے لیے ہے جو یکجا طور پر باہم زندگی بسر کرتے ہیں۔ عادات و اطوار کی بنیاد پر کسی قبیلہ کے افراد میں اس طرح کی تجاوز کاریاں نہیں پائی گئیں۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام نے تحفظ کی برقراری کے لیے پردے کا حکم جاری کیا تھا۔

پردے کا بنیادی فلسفہ کچھ اور ہے جسے ہم بعد میں عرض کریں گے۔ فی الحال ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ مرد کی تجاوز کاریوں سے عورت کے تحفظ کا مسئلہ مطلقاً پیش نظر نہیں رہا ہے۔ آگے چل کر آیۂ "جلباب" کی تفسیر میں ہم دیکھیں گے کہ قرآن مجید نے اس اصل پر توجہ دی ہے۔ میں اس بات کا مدعی بھی نہیں ہوں کہ ہمارے اس عہد میں یہ فلسفہ لایعنی ہے اور اس کا تعلق اس دور سے ہے جب عورتوں کو مردوں کی زیادتیوں سے تحفظ حاصل

نہیں تھا کیونکہ ترقی یافتہ ممالک میں زنا بالجبر کے واقعات ہم آئے دن اپنے اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں۔

عورت کا استحصال

بعض افراد نے عورت کے پردے کو اقتصادی پہلو سے نسبت دیکر یہ کہا ہے کہ پردہ مرد کے عہد مالکیت اور تسلط کی یادگار ہے۔ مردوں نے عورتوں سے اقتصادی فائدہ حاصل کرنے کے لیے ان کا کنیزوں اور غلاموں کی طرح استحصال کیا۔ انھوں نے عورتوں کو خانہ نشین بنایا اور انہیں اس بات پر مطمئن کرنے کے لیے کہ ان کا از خود گھر سے نکلنا معیوب ہے۔ پردے اور خانہ نشینی کا تصور ان کے ذہن نشین کرایا گیا۔

اس تخیل کو پیش کرنے والوں نے نان و نفقہ اور مہر سے متعلق مسائل کو بھی عورت پر مرد کی مالکیت کی دلیل قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

"ایران کے مدنی اور اساسی قوانین پر تنقید" نامی کتاب کے صفحہ ۲۷ پر درج ہے:

"جس وقت ایران کا مدنی قانون مدون ہوا، اس وقت دنیا کے بعض حصوں میں بردہ فروشی کے آثار پائے جاتے تھے اور ایران میں بھی اگرچہ ظاہری طور پر یہ رسم ختم ہو چکی تھی لیکن پھر بھی مقننین کے ذہنوں میں بردہ فروشی اور اپنے ماتحتوں کو تکلیف پہنچانے کا عنصر موجود تھا۔ عورت کو ان دنوں ایک بکاؤ مال سمجھا جاتا تھا۔ اسے مردوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اجتماعات میں شرکت کرنے اور حکومتی مناصب تک پہنچنے کا

حق نہیں تھا۔ اگر عورت کی آواز کسی نامحرم تک پہنچ جاتی تو وہ
اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی۔ مختصر یہ کہ اس زمانے کے مرد عورت کو
ایک ایسی مشین سمجھتے تھے جس کا کام صرف امور خانہ داری
اور بچوں کی پرورش تک محدود تھا اور اگر کبھی اتفاقاً وہ گھر سے
باہر جانا بھی چاہتی تو اسے سر سے پاؤں تک سیاہ چادر میں
لپیٹ کر روانہ کیا جاتا تھا۔"

اس پوری عبارت میں لکھنے والے کی افترا پردازی اور اسکی غرض و غایت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کب اور کہاں اس قانون کا عمل درآمد تھا کہ اگر عورت کی آواز کوئی نامحرم سن لے تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی تھی؟ کیا یہ افکار ایک ایسے معاشرے کی پیداوار ہو سکتے ہیں جس کے مذہبی خطباء آئے دن منابر سے جناب سیدہ اور جناب زینب صلواۃ اللہ وسلام علیہما کی ان تقریروں کو لوگوں کی سماعت تک پہنچاتے رہتے ہیں جنہیں ان ہستیوں نے مسجد نبوی اور کوفہ و شام کے بازاروں میں گوش گزار فرمایا تھا۔ کب اور کہاں عورت ایران کی مسلم آبادی میں مرد کی کنیز رہی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ مسلم گھرانوں میں اسلامی احکام کے تحت عورت سے زیادہ مرد اس کا خیال رکھتا ہے اور اس کے لیے تمام آسائشات فراہم کرتا ہے۔ عورت ان گھروں میں ظلم، زیادتی اور تحقیر و اہانت کا شکار رہی ہے جہاں روح اسلام کا فقدان تھا یا اس میں کمزوری پائی جاتی تھی۔

تعجب کا مقام ہے، وہ لکھتا ہے: "عورت کو یہ حق نہ تھا کہ وہ مردوں کے ساتھ نشست و برخاست کرے۔" میں کہتا ہوں کہ اس کے برعکس صاف ستھرے اسلامی ماحول میں مرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ غیر عورت کے ساتھ

اپنی بیٹھک جماتے۔ مرد وہ ذات ہے جو ہمیشہ عورت کو لذتِ دید اور اپنی شادکامی کا ذریعہ قرار دینے میں حریص ہوتا ہے۔ ہر گز کوئی مرد فطرتاً مائل نہیں ہوتا کہ اس کے اور عورت کے درمیان کوئی حجاب حائل ہو اور جہاں کہیں یہ حجاب برطرف ہوا وہاں مرد کی جیت اور عورت کی ہار مسلم ہے۔ آج مرد آزادی اور مساویانہ حقوق کے خوبصورت ناموں سے اس حجاب کو برطرف کر کے عورتوں کو اپنے بیہودہ مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ عورت کی بردگی کو ہر کھلی آنکھ مشاہدہ کر رہی ہے۔ مرد مادی فوائد کے حصول کے لیے عورت کو اپنے تجارتی مراکز میں ماڈل کے طور پر پیش کر رہا ہے اور وہ اپنی شرافت کو چند ٹکوں کے عوض کھلے بندوں نیلام کر رہی ہے۔

اس طرح کی نشست و برخاست جس کی مصنف اور اس کے ہم خیال افراد کو تمنا ہے' سوائے مرد کی منفعت جوئی اور عورت کی منفعت رسانی کے اور کچھ بھی نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ جہاں عورت سے مرد کی کوئی مادی غرض وابستہ نہ ہو ایسے صاف ماحول کی نشست و برخاست کو اسلامی معاشرے نے کبھی ممنوع قرار نہیں دیا ہے۔

اسی کتاب کے لکھنے والے نے سماجی علوم کے اعتبار سے عورت اور مرد کے باہمی تعلقات کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا دور اس فطری اور اشتراکی مرحلے سے متعلق ہے جس میں مرد و زن بغیر کسی قید و شرط کے آپس میں میل ملاپ رکھتے تھے۔ اس دور میں مصنف کے خیال کے مطابق بنیادی طور پر گھریلو زندگی کا تصور موجود نہیں تھا۔

دوسرا دور مرد کی حاکمیت کا دور ہے جہاں اس کو عورت پر غلبہ حاصل تھا اور وہ اپنے آپ کو اس کا مالک سمجھتا تھا' اس نے عورت کو محض ایک فرمانبردار

کنیز کی صورت دے رکھی تھی اور پردہ اسی دور کی یادگار ہے۔

تیسرا دور عورت کے قیام اور اعتراض کا مرحلہ ہے۔ اس مرحلہ میں عورتیں مردوں کی زیادتیوں سے بیزار ہو کر ان کے مظالم کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں اور جب ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ مردوں کی سخت طبیعت اتنی آسانی سے ان کے حقوق کی رعایت کے لیے تیار نہیں تو انہوں نے اپنے حقوق کو منوانے کے لیے مردوں کے خلاف بتدریج شورش کی۔ تنظیموں کا قیام عمل میں آیا اور اشتعال انگیز تقریروں اور گروہ بندیوں کے ذریعے سے انہوں نے مردوں سے مقابلہ کیا۔ ضمناً جب انہیں یہ بات معلوم ہوئی کہ مردوں کی منہ زوری اس غیر صحتمندانہ تربیت کا نتیجہ ہے جو انہیں بچپن میں اور خاص طور پر لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان ترجیحی روش سے حاصل ہوئی ہے تو انہوں نے تعلیم و تربیت کے عمومی نقائص کو دور کرنے کی کوشش کی۔

چوتھے دور میں عورت اور مرد کے درمیان مساویانہ حقوق کی گفتگو ہے اور یہ صورتِ حال پہلے دور سے بالکل ملتی جلتی ہے۔ یہ دور انیسویں صدی کے اواخر سے شروع ہوا ہے اور ابھی تک اسے ہمہ گیری حاصل نہیں ہوئی۔

اس منطق کی رو سے عورت کا پردہ مرد کے ہاتھوں عورت کی اسیری سے عبارت ہے اور اس اسیری کا سبب یہ ہے کہ مرد اس سے زیادہ سے زیادہ اقتصادی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

تبصرہ:

ان چار ادوار میں عورت اور مرد کے روابط کی تاریخی تقسیم اس ناکام تقلید کا نتیجہ ہے جسے کمیونزم کے پیروکاروں نے اقتصادی عوامل کو سامنے رکھتے ہوئے پیش کیا اور یہ موضوع ان کے نزدیک تمام اجتماعی امور کا سنگِ بنیاد

ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ نوع بشر کے تاریخی ادوار پہلے اشتراکی دور، ملوک الطوائفی دور اور اسی طرح سرمایہ داری کمیونزم اور دوسرے اشتراکی دور سے عبارت ہیں اور یہ دوسرا اشتراکی دور پہلے اشتراکی دور سے مکمل طور پر مشابہت رکھتا ہے۔

سابق الذکر کتاب میں عورت کی زندگی کے ادوار سے متعلق جو کچھ بھی کہا گیا ہے وہ سب اسی کی نقل ہے مگر ایسی نقل جو کسی صورت سے ٹھیک نہیں بیٹھتی ہمارے نظریے کے مطابق عورت کی زندگی میں ایسے ادوار کبھی نہیں رہے ہیں اور ان کا وجود بعید از امکان ہے۔ وہی پہلا اشتراکی دور جس کا تذکرہ کیا گیا ہے سماجی علوم کی تاریخ کے اعتبار سے کسی طور پر درست نہیں۔ سماجی علوم کی تاریخ اب تک کوئی ایسی مثال نہیں پیش کر سکی کہ جس سے وہ یہ بتا سکے کہ نوع بشر میں کوئی ایسا دور بھی گزرا ہے جس میں گھریلو یا خاندانی زندگی کا فقدان رہا ہو۔ ہم ادوار کی اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے بلکہ صرف اس دعوے پر بحث اور تبصرہ کرنا چاہتے ہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ مرد کی مالکیت عورت کے پردے کا سبب رہی ہے۔

ہم اس بات کو تمام اقوام میں کلی اصول کے طور پر ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ مرد گزشتہ ادوار میں عورت کو ذریعۂ منفعت سمجھتا تھا اور اس سے اقتصادی فائدے حاصل کرنا چاہتا تھا۔

زوجیت سے مربوط محبت ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ مرد زبردست "طبقہ" بن کر عورت کو زیردست "طبقہ" میں شمار کرے اور اس پر حکومت چلا کر اس کا استحصال کرے۔ یہ بات بالکل ایسی ہی ہے جیسے ہم یہ کہیں کہ گزشتہ ادوار میں ماں باپ ایک "طبقہ" بن کر دوسرے "طبقہ" کی صورت میں اپنی اولاد پر حکومت کر کے ان کا استحصال کرتے تھے۔ ماں باپ اور اولاد کے درمیان محبت کی زنجیر ایک ایسی انہونی بات کی مانع بنتی ہے۔ زوجین کے درمیان

محبت و چاہت کی فضا پچھلے ادوار اور گزشتہ اقوام میں آج سے زیادہ رہی ہے اور عورت نے اپنے حسن و جمال اور قوت کشش کے ذریعے مردوں کے قلوب پر حکمرانی کی ہے اور انہیں اپنی خدمت پر مامور کیا ہے۔ مرد اپنی رضا و رغبت سے عورت کا نان و نفقہ فراہم کرتا ہے تا کہ اسے خوش اور سکھی رکھ سکے۔ اس نے عورت کو محاذِ جنگ سے دور رکھ کر خود بال بچوں کی حفاظت کے لیے قیام کیا۔

لیکن ساتھ ہی ہم اس کا انکار بھی نہیں کرتے کہ مرد نے گزشتہ ادوار میں عورتوں اور بچوں پر زیادتی نہیں کی ہے اور ان دونوں سے اقتصادی فائدہ حاصل نہیں کیا ہے۔ اس نے تو خود اپنے آپ پر بھی ظلم کیا ہے۔ مرد نے استحصال اور منفعت جوئی سے نہیں بلکہ اپنی جہالت اور بے جا تعصب کے سبب اپنے آپ پر بھی ظلم کیا ہے اور اپنے بال بچوں پر بھی۔ اس نے اقتصادی اعتبار سے عورت کی خدمت بھی کی ہے اور اس سے اقتصادی فائدہ بھی حاصل کیا ہے۔ جب کبھی مرد کی طبیعت میں خشونت پیدا ہوئی، عشق و محبت کا زور اس کے وجود میں کمزور پڑ گیا اور اس نے عورت کو ایک اقتصادی آلۂ کار سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھایا لیکن ہم اس کو انیسویں صدی سے قبل کے معاشروں پر محیط ایک کلیہ قرار نہیں دے سکتے۔

عورت کے حقوق کی پامالی، اس کا استحصال اور اس پر ظلم و زیادتی فقط انیسویں صدی سے پہلے کے دور ہی تک منحصر نہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں بھی عورت کے حقوق گزشتہ سے کچھ کم پامال نہیں ہوتے ہیں۔ البتہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں اس صدی کی خصوصیات میں یہ بات شامل ہے کہ اب اس پر منطقی دلائل کا ایک پردہ ڈال دیا گیا ہے۔

ہمارا موضوعِ گفتگو اسلام ہے۔ آخر اسلام نے اپنے احکامات میں

پردے کی ضرورت کیوں محسوس کرتا ہے۔ کیا وہ عورت کو اقتصادی اعتبار سے مرد کی خدمت میں حاضر کرنا چاہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلام میں پردے کا یہ مقصد نہیں ہے۔ اسلام نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ مرد عورت سے اقتصادی فوائد حاصل کرے بلکہ اس نے سختی سے اسکی مخالفت کی ہے۔ اسلام نے قطعی طور پر یہ ناقابلِ تردید اعلان کیا ہے کہ مرد کو کسی عنوان سے بھی عورت سے اقتصادی استفادہ کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہ مسئلہ کہ عورت اقتصادی آزادی کی حامل ہے، اسلام کے قطعی مسلّمات میں سے ہے۔ عورت کا کام اسلام کے نقطۂ نظر سے خود اس سے وابستہ ہے۔ عورت اگر چاہے تو گھر میں سونپے جانے والے کام کو بلا معاوضہ نیک عملی کی صورت میں انجام دیتی ہے اور اگر نہ چاہے تو مرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے مجبور کرے، یہاں تک کہ وہ دودھ پلائی کے مسئلہ میں بھی باوجود اس کے کہ یہ عمل زوجہ کے فرائض میں شامل ہے تاہم یہ فرض اس کے حق اجرت کو ساقط نہیں کرتا۔ یعنی اگر زوجہ بالفرض ایک ہزار روپے کے عوض اپنے فرزند کو دودھ پلانا چاہتی ہے اور ایک غیر عورت بھی اس کام کے لیے اتنے ہی معاوضہ کی طلبگار ہے تو باپ پر لازم ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو مقدم رکھے۔ فقط اس صورت میں باپ بچے کو دایہ کے سپرد کر سکتا ہے جب اس کی زوجہ دایہ سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرے۔ عورت اپنے لیے ہر کام کا انتخاب کر سکتی ہے مگر یہ کہ وہ کام گھر کے نظام اور ازدواجی حقوق پر اثر انداز نہ ہو اور پھر اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی مطلق طور پر خود اس کی اپنی ذات سے متعلق ہو گی۔

اگر اسلام میں پردہ عورت کے اقتصادی استحصال سے عبارت تھا تو وہ عورت کو مرد کی بیگار کے لیے مقرر کرتا۔ یہ بات قطعاً معقول نہیں ہے کہ

ایک طرف تو وہ عورت کی اقتصادی آزادی کا قائل ہو اور دوسرے طرف پردے کو اس کے استحصال کے لیے وضع کرے پس، اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں تھا۔

حسادت مرد

پردہ کے لیے ایک اور پہلو جس کا ذکر کیا گیا ہے اخلاقی حیثیت کا حامل ہے۔ یہاں بھی سابقہ نظریہ کی طرح پردے کے وجود میں آنے کے سبب کو مرد کا تسلط اور عورت کی مجبوری سے تعبیر کیا گیا ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ یہاں مرد کی تسلط یابی کے لیے اقتصادی پہلو کے بجائے اخلاقی پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ مرد کا عورت کو یوں اسیر بنا کر رکھنے کا سبب یہ ہے کہ اس میں دوسرے مردوں کے لیے حسد اور خود غرضی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا شخص اس کے گھر میں رہنے والی عورت پر نظر ڈالے یا اس سے ہمکلام ہو۔

اس گروہ کے عقیدے کے مطابق دینی اور مذہبی قوانین نے باوجود اس کے کہ دوسرے مقامات پر خود غرضی اور خود پرستی کے ساتھ جنگ کی ہے مگر اس مقام پر معاملہ برعکس ہے اور اس نے مردوں کی اس خود خواہی کو قرین صحت جانا ہے۔

> برٹرینڈ رسل کہتا ہے: انسان مال و متاع کے سلسلے میں خود خواہی اور بخل پر کسی حد تک غلبہ حاصل کر سکا ہے لیکن عورت کے بارے میں اس کی یہ کوشش ناکام رہی ہے۔

رسل کے نظریہ کے مطابق "غیرت" کوئی قابل تعریف صفت نہیں ہے بلکہ یہ ایک طرح کا بخل ہے۔

رسل کے اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ اگر بخشش و عطا دولت کے بارے میں اچھی ہے تو عورت کے بارے میں بھی اچھی ہونی چاہیے۔ بخل، تنگ نظری اور حسادت اگر مال کے لیے مذموم ہے تو وہ عورت کے باب میں کیوں قابلِ تعریف ہو؟

آخر کیوں دوسروں کو کھانا کھلانا، روٹی سالن کا انتظام کرنا اقتصادی اخلاق کے اعتبار سے قابلِ تعریف و تمجید ہے اور یہی بذل و عطا، ایثار اور دوسروں کو مسرت بخشنا جنسی اخلاق میں کیوں مذموم و متھور ہے؟ رسل جیسے افراد کی سوچ میں اس قسم کی تبدیلی کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اخلاق، جنسی امور میں انسان کی خود خواہی اور حاکمیت پر غلبہ حاصل نہ کر سکا بلکہ اس کے برعکس وہ خود پرستی کا شکار ہوا اور اس نے اس پستی اور فرومایگی کو مرد کی جانب سے "غیرت" اور عورت کی جانب سے پردہ اور پاکدامنی کا نام دیکر اسے اخلاقِ حسنہ کے عنوان سے قبول کیا ہے۔

تبصرہ:

ہماری نگاہ میں مرد عورت کی پاکدامنی کا خواہاں ہے۔ یعنی وہ خاص طور پر یہ چاہتا ہے کہ اس کی زوجہ پاکدامنہ ہو۔ تاہم خود عورت بھی اپنے تئیں اس صفت سے متصف رکھنا چاہتی ہے۔ اس کی طبعِ حساس میں یہ رجحان بھی پایا جاتا ہے کہ اس کے شوہر کے کسی اور عورت سے تعلقات نہ ہوں لیکن ہمارے خیال کے مطابق اس رجحان کا تعلق کسی اور سلسلے سے ہے، حالانکہ مرد کا رجحان بھی کچھ اسی طرح کی کیفیت کا حامل ہے۔ تاہم ان دونوں میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ مرد کی سوچ غیرت سے متصل ہے یا پھر وہ حسادت و غیرت کا مجموعہ ہے لیکن عورت کے وجود میں صرف حسادت کا دخل ہے۔

ہم فی الحال مرد میں پاکدامنی کی ضرورت اور میاں بیوی کے درمیان اس ضرورت کی اہمیت کے بارے میں گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔

ہماری گفتگو فی الحال مرد میں پائے جانے والے اس احساس سے متعلق ہے جسے غیرت کہا جاتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا غیرت حسادت ہی کا دوسرا نام ہے یا پھر وہ اس سے مختلف کوئی اور حقیقت ہے۔ دوسرے یہ کہ کیا مرد کے احساس غیرت کا احترام اسلامی پردہ کی اساس ہے یا اس میں دوسرے وجوہات کا عمل دخل ہے؟

پہلی بات کے بارے میں ہم معتقد ہیں کہ حسادت اور غیرت دو بالکل ہی مختلف صفات ہیں اور ہر ایک کی بنیاد مختلف ہے۔ حسادت، خود خواہی اور ذاتی احساسات و جذبات کی پیداوار ہے لیکن غیرت صنفی اور اجتماعی احساس کا موقع ہے اور اس کی افادیت اور اس کا رُخ ہمیشہ دوسروں کی طرف ہوتا ہے۔

غیرت ایک طرح کی محافظت ہے جسے خالق بشر نے نسلوں کی شناخت اور انہیں اختلاط سے بچانے کے لیے انسان کے وجود میں سمو رکھا ہے۔ دوسروں سے اپنی عورت کے میل ملاپ کے سلسلے میں مرد کی غیر معمولی حساسیت کا راز یہ ہے کہ فطرت نے اسے آئندہ نسل میں نسب کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی ہے اور یہ احساس چاہت کے اس احساس کی طرح ہے جو ایک باپ اپنے بیٹے کی نسبت رکھتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اولاد کے سلسلے میں ماں باپ کو کتنے دکھوں اور کتنے اخراجات کا بار اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر انسان میں اپنی اولاد کے لیے غیر معمولی حد تک محبت و چاہت کا جذبہ نہ ہوتا تو وہ کبھی توالد و تناسل اور حفاظت نسل کے لیے اقدام نہ کرتا۔ اسی طرح

اگر مرد میں غیرت نہ ہوتی کہ وہ اس کھیتی کی حفاظت کرے جس میں اسے بیج بونا ہے تو نسلوں کا رابطہ کلی طور پر ایک دوسرے سے منقطع ہو جاتا اور کوئی باپ اپنی اولاد اور کوئی بچہ اپنے باپ کی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ رابطہ کا یہ انقطاع انسان کے اجتماعی شعور کو متزلزل کرتا ہے۔

خود خواہی کے خلاف برسرپیکار ہونے کے لیے انسان کو غیرت سے کنارہ کش ہونے کی رائے دینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ اولاد سے رغبت کے جذبہ کو بلکہ کلی طور پر انسانی ترحم کو اس لیے چھوڑ دیا جائے کہ وہ ایک نفسانی خواہش کا نتیجہ ہے حالانکہ نچلے درجہ کی نفسانی خواہشات سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ایک بلند پایہ انسانی خواہش سے ہم آہنگ ہے۔

نسل کے تحفظ کی خواہش عورت میں بھی موجود ہے لیکن وہاں کسی محافظ کی ضرورت نہیں اس لیے کہ ماں سے اولاد کی نسبت ہمیشہ محفوظ ہے اور اس میں شبہ کی گنجائش نہیں اور یہیں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مرد کے کسی دوسری عورت سے روابط میں عورت کی ممانعت مرد کے جذبۂ غیرت سے مختلف ہے۔ عورت کی حساسیت یا اس کے جذبے کو ہم اس کی خود خواہی اور خود پسندی سے تعبیر کر سکتے ہیں لیکن مرد کی غیرت مندی جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں نوعی اور اجتماعی پہلو کی حامل ہے۔

ہم مرد کی حسادت اور خود پسندی کے منکر نہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر بالفرض مرد اپنی حسادت کے جذبے کو قوت اخلاق سے ختم کر دے، تب بھی اس میں ایک طرح کا اجتماعی احساس موجزن ہو گا جو اسے اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ اس کی زوجہ کسی غیر مرد سے رابطہ رکھے۔ مرد کی حساسیت کو صرف حسادت کے جذبے میں منحصر کرنا ہمارے نزدیک بالکل غلط اور ناقابلِ قبول امر ہے۔

بعض روایتوں میں بھی اس موضوع کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ مردوں

میں غیرت اور عورتوں میں حسادت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

اس مفہوم کی وضاحت کے لیے ایک نکتہ کا اضافہ کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ وہ مرد کی مطلوب و معشوق بن کر رہے۔ اس کی دلربائی، جلوہ گری، خودنمائی اور بناؤ سنگھار کا تمام تر مقصد مرد کی توجہات کو اپنی طرف مبذول کرنا ہے۔ عورت وصال اور جنسی لذت سے زیادہ مرد کی گرویدگی اور فریفتگی کی خواہشمند ہے۔ اگر عورت دوسری عورتوں سے مرد کے میل ملاپ کی مخالف ہے تو اس لیے ہے کہ وہ معشوقیت اور مطلوبیت کے مقام کو صرف اپنی حد تک منحصر رکھنا چاہتی ہے لیکن مرد کے لیے یہ صورت نہیں ہے اور اس کی سرشت میں یہ خود پسندی پائی نہیں جاتی لہٰذا اگر وہ اپنی عورت کو دوسرے مردوں کے میل ملاپ سے باز رکھتا ہے تو اس کا سبب وہی محافظتِ نسل ہے۔

عورت کو مال و دولت پر بھی قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ مال و دولت خرچ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے اور اسی لیے جھگڑے اور کشمکش کا سبب بنتا ہے اور انسان اپنی نفس پرستی اور خود خواہی کے سبب دوسروں پر اس کے استفادہ کی راہ روک دیتا ہے لیکن ایک شخص کی جنسی آرزو کی تکمیل دوسروں کے استفادہ کی راہ میں حائل نہیں ہے اور یہاں ذخیرہ اندوزی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

انسان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ جتنا شہوتوں کے گرداب میں اترتا جائے گا، اخلاق، تقویٰ اور عفاف کی فضیلتیں اس سے کم ہوتی جائیں گی۔ غیرت کا احساس اس میں کمزور پڑتا جائے گا۔ لذت پرست افراد کو اس بات سے تکلیف نہیں پہنچتی کہ ان کی بیویاں دوسروں کے تصرف میں آئیں بلکہ وہ اس

سے محفوظ ہوتے ہیں اور ان امور کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ جو اپنی خود خواہیوں اور نفسانی شہوتوں سے جنگ کرتے ہیں، لالچ اور مادہ پرستی وجود سے ختم ہونے لگتی ہے، وہ صحیح معنوں میں "انسان" اور "انسان دوست" بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خدمت خلق کے لیے وقف کر دیتے ہیں اور اپنے ہم جنسوں کی خدمت کا جذبہ ان میں جاگ اٹھتا ہے۔ ایسے افراد زیادہ غیرت مند اور اپنی بیویوں کے بارے میں زیادہ حساس ہوتے ہیں اور دوسروں کی بیویاں بھی ان کے نزدیک قابل احترام ہوتی ہیں۔ ان کا ضمیر اجازت نہیں دیتا کہ قوم کی بہو بیٹیاں دست درازی کا شکار ہوں بلکہ وہ سب کی سب ان کی بیٹیاں بن جاتی ہیں۔

حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کا ایک عجیب جملہ ہے: آپ فرماتے ہیں: "ما زنی غیور قط" یعنی ہرگز ایک شریف اور غیور آدمی زنا کا مرتکب نہیں ہوتا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک حاسد انسان زنا نہیں کرتا، بلکہ آپ ارشاد فرماتے ہیں غیور انسان زنا نہیں کرتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ غیرت، قوم کی طہارت اور پاکیزگی کے باب میں انسانی شرافت اور حساسیت کا نام ہے۔ ایک غیرت مند انسان جس طرح اپنی ناموس کے دامن کو آلودہ دیکھنا گوارا نہیں کرتا اسی طرح قوم کے ناموس کی آلودگی بھی اسے ناپسند ہے کیونکہ غیرت، حسادت سے مختلف چیز ہے۔ حسادت ایک ذاتی، انفرادی اور باطنی ذریعوں سے وجود میں آنے والی شے ہے لیکن غیرت نوع بشر کے احساس و عاطفہ کی پیداوار ہے۔

یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ "غیرت"، "خود پرستی" سے وجود پذیر نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک ایسا خصوصی احساس ہے جسے قانون فطرت نے گھریلو

زندگی کے استحکام کے لیے ایجاد کیا ہے اور یہ زندگی وضعی نہیں بلکہ فطری زندگی سے عبارت ہے۔

لیکن یہ گفتگو کہ کیا پردے سے اسلام کا منشاء مرد کے احساسِ غیرت کا احترام ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک اسلام کے پیشِ نظر احساسِ غیرت کا وہ فلسفہ ہے جس میں نسل کی پاکی کا تحفظ اور عدم اختلاطِ انساب پایا جاتا ہے لیکن اسلام میں پردہ کا سبب صرف یہی ایک موضوع نہیں ہے۔ ہم آگے چل کر "اسلام میں پردہ کا فلسفہ" کے عنوان سے اس موضوع پر ایک سیر حاصل گفتگو کریں گے اور وضاحت سے روشنی ڈالیں گے۔

عورت کے مخصوص ایام

بعض افراد کے نظریے کے مطابق عورتوں کا پردہ اور ان کی خانہ نشینی نفسیاتی پہلو کی حامل ہے۔ عورت ابتدا ہی سے اپنے اندر احساسِ حقارت کرتی رہی ہے اور اس کے دو وجوہات ہیں۔ ایک مرد کی نسبت اس کے عضوی نقص کا احساس اور دوسرے وہ خون جو ماہواری، وضع حمل یا ازالہ بکارت کے مواقع پر جاری ہوتا ہے۔

ماہواری کو ایک طرح کی ناپاکی اور نقص سمجھنے کی بات نوعِ بشر میں بہت پہلے سے موجود رہی ہے اور اسی لیے عورتیں اپنے ان مخصوص ایام میں ایک پلید اور ناپاک شے کی طرح کسی کونے میں محبوس رہی ہیں اور ان سے دوری اور پرہیز کیا جاتا رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اس بارے میں سوال

کیا گیا لیکن جو آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی وہ یہ نہیں تھی کہ حیض پلیدی ہے اور حائض عورت پلید و ناپاک ہے اور اس سے معاشرت نہ کی جائے بلکہ جواب آیا کہ یہ ایک طرح کی جسمانی بیماری ہے اور اس بیماری کے دوران اس سے (معاشرت نہیں بلکہ) مباشرت نہ کی جائے۔

" یسئلونک عن المحیض قل ھو اذیً فاعتزلوا النساء فی المحیض۔" (سورۂ بقرہ - آیت ۲۲۲)

یعنی "اے رسول! تم سے حیض کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، کہو کہ یہ ایک طرح کی بیماری ہے[1] اور اس بیماری کے دوران عورتوں سے قربت حاصل نہ کرو۔"

---

[1] "ھو اذیً" یعنی وہ ایک مضر چیز ہے۔ درحقیقت یہ جملہ ایام حیض میں عورتوں سے مباشرت کی ممانعت کا فلسفہ بیان کرتا ہے چونکہ اس حالت میں عورتوں سے مباشرت بذات خود کراہت کا پہلو رکھتی ہے اور اس سے کئی ایک بیماریوں کے پیدا ہونے کا قوی احتمال ہوتا ہے۔ اس بات کی تائید موجودہ طبی تحقیقات سے بھی ہوتی ہے۔ ان بیماریوں میں سے چند ایک یہ ہیں: مرد و زن کے تناسل سے عاری ہو جانے کا امکان۔ آتشک اور سوزاک کے جراثیم کی افزائش۔ عورت کے اندام نہانی میں حرارت کا غیر ضروری اضافہ۔ مرد کے عضو تناسل میں خون حیض کے ساتھ مہلک جراثیم کا داخل ہو جانا اور ایسی ہی دیگر کیفیات کہ جن کا تذکرہ طبی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اطبا عام طور پر حائض عورتوں کے ساتھ مباشرت کرنے سے منع کرتے ہیں۔ چونکہ عورت کے رحم میں بعض رطوبتیں جم جاتی ہیں اور اسی طرح اس کے بیضہ دان میں بھی کچھ مادے جمے ہوتے ہیں خون حیض کا اجرا انہی جمی ہوئی رطوبتوں کے اخراج کے لیے ہوتا ہے۔

قرآن نے اس کیفیت کو دوسری بیماریوں کی طرح صرف ایک بیماری کہا ہے اور اس سے ہر طرح کی پلیدی اور ناپاکی کو سلب کر لیا ہے۔
سنن ابو داؤد جلد اول صفحہ ۴۹۹ میں اس آیت کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ:

"انس بن مالک نے کہا ہے کہ یہودیوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی عورتوں کو دوران حیض گھر سے باہر نکال دیا کرتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیتے تھے۔ لہٰذا اس بارے میں رسول خدا سے سوال کیا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ نے ان سے دوری اختیار کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ ان سے ہمبستری کے سوا اور کوئی ممنوعیت نہیں ہے۔"

اسلام کے نقطہ نظر سے حائض عورت فقہی اصطلاح میں ایک "محدث" کا حکم رکھتی ہے۔ یعنی وہ انسان جو فاقد غسل و وضو ہو اور اس حال میں اس پر نماز اور روزہ حرام ہو۔

حدث ایک ایسی ناپاکی ہے جو "طہارت" یعنی وضو یا غسل سے دور ہو جاتی ہے اس اعتبار سے ہم حیض کو بھی جنابت' احتلام اور پیشاب کی طرح پلید سمجھ سکتے ہیں لیکن اس طرح کی پلیدی یا ناپاکی اولاً تو صرف عورت سے مخصوص نہیں ہے اور ثانیاً یہ کہ وہ غسل اور وضو سے دور ہو جاتی ہے۔

زردشتیوں اور یہودیوں میں حائض عورت کیساتھ ایک ایسی ناپاک اور پلید شے کی طرح کا سلوک کیا جاتا تھا کہ جو انتہائی قابل نفرت ہو۔

اس طرز عمل نے عورت اور مرد دونوں میں اس احساس کو پیدا کیا کہ عورت ایک پست اور ناپاک ذات ہے۔ خاص طور پر عورت اس حالت میں اپنے

اندر احساس شرم و نقص کرتی اور لوگوں کی نظروں سے اپنے آپ کو چھپائے رکھتی تھی۔

ہم پہلے "ویل ڈوراں" کی بات نقل کر چکے ہیں کہ اس نے کہا:

"داریوش کے بعد عورت کا مقام خاص طور پر سرمایہ دار طبقے میں پست ہو گیا۔ معاشی طور پر بدحال عورتوں کو چونکہ کام کاج کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان آنا پڑتا تھا اس لیے ان کی آزادی برقرار رہی لیکن دوسری عورتوں پر چونکہ اپنے مہینے کے خاص دنوں میں گوشہ نشینی واجب قرار پائی تھی لہٰذا آہستہ آہستہ گوشہ نشینی کے اس وقفہ نے ان کے لیے وسعت اختیار کی اور ان کی پوری اجتماعی زندگی اس کی لپیٹ میں آگئی۔"

وہ یہ بھی کہتا ہے:

"سب سے پہلے عورت کو شرم و حیا کا اس وقت احساس ہوا جب اسے یہ بات معلوم ہوئی کہ حالتِ حیض میں مرد کے ساتھ اس کی یکجائی ممنوع ہے۔"

عورت کے اپنے اندر احساس نقص اور اس کی پستی اور پلیدی کے موضوع پر بہت کچھ کہا گیا ہے، یہ باتیں خواہ درست ہوں یا نادرست، عورت اور پردے کے بارے میں اسلامی فلسفہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام نے نہ حیض کو عورت کی پستی اور حقارت کا سبب جانا ہے اور نہ ہی پردہ کو اس پستی اور حقارت کے لیے عنوان قرار دیا ہے بلکہ اس کے نزدیک کچھ اور امور ہیں جنہیں ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

قدر و قیمت میں اضافہ کا عمل

پہلے جن اسباب کا ہم ذکر کر چکے ہیں پردے کے مخالفین نے کم و بیش اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے نظریے کے مطابق اس میں ایک بنیادی سبب کارفرما ہے جس پر توجہ نہیں دی گئی ہے۔ ہمارے خیال میں پردے کی ظہور پذیری کے اجتماعی پہلو کو ہمیں ریاضت سے رغبت، عورت کے استحصال، حساوت مرد، اجتماعی عدم تحفظ یا عورت کی ناپاکی میں تلاش نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس امر کو عورت کے اس دلپذیر انداز میں ڈھونڈنا چاہیے جو خداوند عالم نے اسے ایک خصوصیت کے طور پر دے رکھا ہے۔

یہ تمام تر بحث عورت کی حیا، عفاف اور اس کے جنسی اخلاق کے بارے میں ہے اور اس میں عورت کی اپنے آپ کو مرد سے چھپانے کی خواہش کا مسئلہ زیر گفتگو ہے۔ اس مرحلے پر کچھ نظریات پیش کیے گئے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ قابل توجہ یہ نظریہ ہے کہ شرم و حیا اور پردہ وہ تدبیر ہے جسے عورت نے خود مرد کے آگے اپنی قدر و قیمت بڑھانے اور اپنی شخصیت کے تحفظ کے لیے اختیار کیا ہے۔ اس نے اپنی فطری ہوشمندی اور ایک مخصوص خداداد احساس سے یہ جان لیا ہے کہ وہ جسمانی اعتبار سے مرد کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی، اس کے مقابل میں نہیں آ سکتی لیکن اس کے ساتھ ہی اسے مرد کی اس کمزوری (یعنی عورت کی چاہت) کا بھی علم ہو گیا ہے جسے قدرت نے مرد کے وجود میں سمو رکھا ہے، اس نے مرد کو عشق و طلب اور عورت کو معشوقیت اور مطلوبیت کا مظہر قرار دیا ہے۔ مرد فطرتاً رغبت کرنے والا خلق ہوا ہے۔ بقول ویل دوراں:

"آداب تزویج، مردوں میں حصولِ تصرف کے لیے اقدام اور عورتوں میں دلبری اور دلربائی کے لیے سپردگی سے عبارت ہے۔ مرد فطرتاً جنگجو اور شکاری جانور ہے۔ اس کا عمل سعی و جہد ہے۔ عورت، مرد کے لیے ایک انعامی جنس ہے جس کو اسے حاصل کرنا ہے۔"

جب عورت کو مرد کے مقابل اپنی ہستی کا علم ہوا اور مرد کی کمزوری اس کے ہاتھ لگی تو اس نے مرد کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے جس طرح اپنے آپ کو بناؤ سنگھار اور زینت سے آراستہ کیا، اسی طرح خود کو اس سے دور رکھنے کی کوشش بھی کی۔ اس نے سمجھ لیا کہ اسے اپنی قدر و قیمت کا تحفظ کرنا چاہیے اور مرد کے عشق و طلب کی آگ کو تیز تر کر کے اپنے مقام و منزلت کو بلند کرنا چاہیے۔

ویل دوراں کہتا ہے:

"حیا فطری نہیں بلکہ یہ ایک ارادی عمل ہے۔ عورتوں نے یہ محسوس کیا کہ ہاتھ بڑھانا اور دل لگی کرنا رسوائی کا موجب ہے۔ چنانچہ یہی بات وہ اپنی بیٹیوں کے ذہن نشین کراتی رہی ہیں۔"

ویل دوراں مزید کہتا ہے:

اظہارِ محبت و انبساط سے اپنے آپ کو روکنا اور عطا و بخشش میں امساک، مردوں کو شکار کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر انسان کے پوشیدہ اعضاء کی منظرِ عام پر نمائش کی جائے تو ہماری توجہ تو اس طرف مرکوز ہو گی لیکن اس کی سمت طبیعت بہت کم راغب ہو گی یا کوئی اس کا قصد کرے گا۔ نوجوان آدمی باحیا آنکھوں کے درپے ہے اور انجانے میں یہ محسوس کرتا ہے

کہ یہ حسین بردباری بھی دلربائی کا ایک انداز ہے۔"

زین للناس حق آراستہ است

زانچہ حق آراست چوں تا نندرست

چوں پی یسکن الیہاش آفرید

کی تواند آدم از حوا برید

رستم زال ار بود وز حمزہ بیش

ہست در فرماں اسیر زال خویش

آنکہ عالم مست گفتارش بدی

کلمینی یا حمیرا می زدی

ہمارے نازک خیال اور دور کی نگاہ رکھنے والے مثنوی کے خالق مولانا روم نے اس سلسلے میں ایک بہت اچھی مثال پیش کی ہے۔ وہ پہلے تو مرد پر عورت کے معنوی غلبہ کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس کے بعد عورت کی محبوبیت' اس کے مقام کی بلندی اور مرد کے عشق و سوز میں پردے کی تاثیر پر ایک نہایت لطیف مثال لاتے ہیں۔ وہ مرد و زن کو آب و آتش سے تشبیہ دیتے ہیں اور مرد کے لیے پانی اور عورت کے لیے آگ کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اس پانی اور آگ کے درمیان سے رکاوٹ ہٹا دی جائے تو پانی آگ پر غلبہ پا کر اسے بجھا دیگا لیکن اگر ان دونوں کے درمیان کوئی رکاوٹ قائم رکھی جائے مثلاً پانی کو ایک دیگ میں ڈال کر آگ اس کے نیچے روشن کی جائے تو اس وقت آگ پانی پر اپنا اثر ڈالے گی اور آہستہ آہستہ گرما کر اسے جوش میں لائے گی' یہاں تک کہ سارے کا سارا پانی بھاپ میں تبدیل ہو جائے گا۔

مولانا روم پھر کہتے ہیں:

آب غالب شد بر آتش از لہیب ز آتش او جوشد چو باشد در "حجیب"
چونکہ دیگی حائل آمد آں دو را نیست کرد آں آب را کردش ہوا

ابتدا میں پیدا ہونے والے تصور کے خلاف مرد اپنے دل کی گہرائیوں میں عورت کی ہرجائیت اور زود آمیزی کے عمل کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اس نے ہمیشہ اپنی نسبت عورت کے استغناء اور بے اعتنائی کو سراہا ہے۔

ابن العفیف کہتا ہے:

تبدی اسفا رو لا دھی آنسہ یا حسن معنی الرضا فی صورۃ الغضب

نظامی کہتا ہے:

چہ خوش نازیست ناز خوبرویاں ز دیدہ راندہ را از دیدہ جویاں

مجموعی طور پر ایک طرف کی نارسائی و فراق اور دوسری سمت سے عشق و سوز اور کم آمیزی کے درمیان ایک رابطہ ہے۔ بالکل ایسا ہی رابطہ جیسے عشق و سوز اور خوبصورتی و فن کے درمیان ہے۔ گویا عشق دوریوں اور نارسائیوں کے دامن میں پھلتا پھولتا ہے اور فن و زیبائی عشق کی گود میں پرورش پاتے ہیں۔

برٹرینڈ رسل کہتا ہے:

"یہ بات قابل افسوس ہے کہ عورت آسانی سے حاصل ہو جائے
زیادہ بہتر یہ ہے کہ عورتوں کے وصال میں دشواری حائل ہو،
تاہم یہ دشواری غیر ممکن صورت اختیار نہ کرے۔"

وہ یہ بھی کہتا ہے:

"جہاں اخلاقیات پوری طرح آزاد ہوں وہ شاعرانہ عشق سے
متمسک انسان شاذ و نادر ہی اپنے بلند پایہ تخیلات سے متوسل
ہونا چاہتا ہے کیونکہ اس کی ذات ہمیشہ اپنی بے پناہ کشش

کی بنا پر کامیابیوں سے ہمکنار رہتی ہے۔"

ویل دوراں فلسفے کی لذتوں کے باب میں کہتا ہے:

"جو چیز ہم تلاش کریں اور ہمیں نہ ملے وہ ہمارے لیے زیادہ پیاری اور قیمتی ہو جاتی ہے۔ خوبصورتی کا تعلق شدت رغبت سے ہے اور رغبت، قناعت و رضایت سے کم اور ممانعت و رکاوٹ سے بڑھ جاتی ہے۔"

سب سے زیادہ تعجب خیز بات الفرڈ ہیچکاک کی ہے جسے عورتوں کے ایک مجلہ نے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"میرا خیال ہے کہ عورت بھی ایک فلم کی طرح ولولہ انگیز اور ایسی ماہیت کی حامل ہونی چاہیے جس کے کھوج کے لیے مرد کو اپنی قوت تخیل صرف کرنی پڑے۔ عورتوں کو ہمیشہ یہی روش اختیار کرنی چاہیے یعنی انہیں بہت کم اپنی ماہیت ظاہر کرنی چاہیے تاکہ مردوں کو ان کے بارے میں کھوج کے لیے زیادہ زحمتوں کا سامنا کرنا پڑے۔"

یہی مجلہ اپنے ایک شمارے میں اسی شخص سے کہ جسے وہ فلم سازی کے ناطے عورتوں کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات کا حامل قرار دیتا ہے، اس طرح نقل کرتا ہے:

مشرقی عورتیں چند سال پہلے تک چہرے پر نقاب ڈالنے کے سبب خود بخود پرکشش دکھائی دیتی تھیں اور اسی مسئلہ نے انہیں ایک زبردست جاذبیت عطا کی تھی لیکن ان ممالک کی عورتوں نے مغربی عورتوں کی برابری میں تدریجی کوششیں

جاری رکھ کر اس پردے کو برطرف کیا جو کل تک انکا طرۂ امتیاز
تھا اور اسی کے ساتھ ان کی جنسی جاذبیت بھی مدھم پڑ گئی ہے۔
کہا جاتا ہے "آرزومندی، دوری کی پیداوار ہے۔" یہ سچ ہے لیکن اس
کے برعکس "دوری، آرزومندی کی پیداوار ہے" بھی درست اور اپنی جگہ
مکمل ہے۔

آج یورپ اور امریکا میں جس خلا کو شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے
وہ عشق کا خلا ہے۔ یورپی دانشمندوں کی تحریروں میں یہ نکتہ بہت زیادہ
مطالعہ میں آتا ہے کہ آج کے دور میں عورتوں اور مردوں کی بے جا آزادی
اور آوارگی کی سب سے پہلی بھینٹ عشق، ولولہ اور بھرپور چاہتوں کی
جلوہ گری ہے۔ آج دنیا میں لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد جیسی مشرقی نوعیت
کی چاہتوں کو فروغ حاصل نہیں۔

میں لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کے افسانوں کے تاریخی پہلو پر تکیہ نہیں
کرنا چاہتا لیکن یہ افسانے ان حقائق کی منہ بولتی تصویریں ہیں جو مشرقی قوموں
میں پائی جاتی ہیں۔

ان داستانوں سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ عورت مرد کی دسترس
سے اپنے آپ کو دور رکھنے کے سبب کس منزلت تک پہنچی ہے اور کس طرح تک
اس نے مرد کے سرِ نیاز کو اپنے سامنے جھکا رکھا ہے۔ یقیناً اس حقیقت
کا ادراک عورت کے لباس اور اس کے پردے کے باب میں بہت موثر رہا ہے۔

تیسرا باب

اسلام میں پردے کا فلسفہ

پردے کے سلسلے میں پہلے بیان کیے جانے والے فلسفے ہیں بیشتر وہ توجیہیں تھیں جنہیں پردے کے مخالفین نے خود گھڑ لیا تھا، انہوں نے چاہا کہ وہ اس مسئلہ کو خواہ وہ پردے کی اسلامی صورت ہی کیوں نہ ہو، غیر منطقی اور نامعقول امر کے طور پر پیش کریں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسئلہ کو آغاز ہی سے غیر ضروری سمجھے تو اس کی توجیہ بھی اس کے بیکار ہونے پر مبنی ہوگی۔ اگر یہ بحث کرنے والے اس مسئلہ کو غیر جانبدارانہ طریقے سے جانچتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اسلامی پردے کے فلسفہ کو ان کی کسی مہمل اور بے بنیاد گفتگو سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

ہم اسلام کے نقطۂ نظر سے پردے کے لیے ایک خاص فلسفہ کے قائل ہیں جو از روئے عقل قابل قبول ہے اور تجزیہ و تحلیل کے اعتبار سے ہم اسے اسلام میں پردے کی بنیاد قرار دے سکتے ہیں۔

پردے کے لغوی معنی

قبل اس کے کہ ہم اس بارے میں استنباط کریں، اس نکتہ کی طرف توجہ دینا ضروری ہے کہ پردہ جسے لغتِ عرب میں حجاب کہا جاتا ہے، لغوی اعتبار سے کس مفہوم کا حامل ہے؟ لفظ حجاب پہناوا اور پردہ دونوں مفہوم میں آیا ہے لیکن بیشتر پردے ہی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کو پہناوے کے مفہوم میں اس لیے لیا گیا ہے کہ پردہ پہناوے کا ذریعہ ہے اور شاید ہم یہ کہہ سکیں کہ اصل لغت کے اعتبار سے ہر پہناوا حجاب نہیں بلکہ بلکہ صرف وہی پہناوا حجاب ہوگا جو چہرے کو ڈھانپ دے حضرت سلیمان کے واقعے میں قرآن مجید یوں توصیف کرتا ہے

حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ

(سورۂ ص۔ آیت ۳۲)

یعنی یہاں تک کہ سورج پس پردہ چھپ گیا۔ قلب و شکم کے درمیان واقع ہونے والے پردے کو بھی حجاب کہا جاتا ہے۔

حضرت امیرالمومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام نے مالک اشتر کو جو دستور العمل دیا ہے اس میں آپ فرماتے ہیں: فلا تطولن احتجابک عن رعیتک یعنی زیادہ تر لوگوں کے درمیان رہو اور گھر بیٹھ کر اپنے آپ کو ان سے پوشیدہ نہ رکھو۔ دیکھو حاجب اور دربان تمہیں لوگوں سے جدا نہ کرے بلکہ تم خود ان کے درمیان جاؤ اور ان سے رابطہ رکھو تاکہ کمزور اور لاچار افراد اپنی ضرورتوں اور شکایتوں کو تم سے بیان کر سکیں اور تم ان سے بے خبر نہ رہو۔

ابن خلدون کے مقدمہ "فصل فی الحجاب کیف یقع فی الدول وانہ یعظم عند الھرم" کے عنوان سے ایک باب قائم ہے۔ اس باب میں وہ بیان کرتا ہے کہ حکومتیں اپنی تشکیل کے ابتدائی زمانے میں اپنے اور عوام کے درمیان کوئی حجاب یا فاصلہ نہیں رکھتیں لیکن آہستہ آہستہ حکمران اور عوام کے درمیان ایک وسیع پردہ حائل ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں ناگوار صورتِ حال رونما ہوتی ہے۔ ابن خلدون نے اس عبارت میں لفظ حجاب کو پہناوا نہیں بلکہ پردہ کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

عورت کے پردے کے بارے میں لفظ حجاب کا استعمال تقریباً ایک نئی اصطلاح ہے۔ ازمنۂ قدیم اور خاص کر اصطلاح فقہاء میں لفظ "ستر" پردے کے معنی میں آیا ہے۔ کتاب الصلوٰۃ ہو یا کتاب النکاح، فقہا نے ہر جگہ پہناوے کے مفہوم میں لفظ حجاب کو نہیں بلکہ ستر کو استعمال کیا ہے۔

بہتر تو یہ تھا کہ لفظ ستر کو لفظ حجاب سے بدلا نہ جاتا اور ہم اسے ستر ہی کہتے، اس لیے کہ لفظ حجاب کا استعمال عام طور پر پردے کے مفہوم میں ہوتا ہے اور اگر اسے ستر کے مفہوم میں لایا جائے تو وہ عورت کے پس پردہ ہونے کی نشاندہی کرتا ہے اور یہی امر اس بات کا سبب ہوا کہ بیشتر افراد یہ گمان کریں کہ اسلام کا منشا یہ ہے کہ عورتیں پسِ پردہ اور گھروں میں مقید رہیں اور باہر نہ نکلیں۔ اسلام نے عورتوں کے لیے جو پردہ واجب قرار دیا ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلیں۔ اسلام عورتوں کو گھروں میں بند کرنے اور قیدی بنانے کا حامی نہیں ہے۔ عورتوں کو سختی کے ساتھ گھروں میں بند کرنے کی جو رسم قدیم ہند اور ایران میں پائی جاتی تھی، اسلام میں قطعاً اس کا وجود نہیں ہے۔

اسلام میں عورت کا پردہ یہ ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ رہن سہن میں اپنے بدن کو ڈھانپے اور نمائش نہ کرے۔ اس سے متعلق قرآن مجید کی آیتیں بھی اسی مفہوم کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ فقہا کے فتوے بھی اس امر کی تائید کرتے ہیں۔ ہم آگے چل کر اس پردے کے حدود کو قرآن و سنت کے منابع سے پیش کریں گے۔ پردے سے متعلق آیات میں لفظ حجاب کا استعمال عمل میں نہیں آیا۔ وہ سورہ نور ہو یا سورۂ احزاب، اس بارے میں جہاں کہیں جو آیت بھی آئی ہے، اس میں لفظ حجاب کو استعمال کیے بغیر زن و مرد کے روابط اور پردے کے حدود کا تذکرہ ہے۔ وہ آیت جس میں لفظ حجاب استعمال ہوا ہے اس کا تعلق پیغمبرؐ اسلام کی ازواج سے ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں ازواج رسولؐ کے بارے میں خاص احکامات وارد ہوتے ہیں۔ پہلی آیت جو اس سلسلے میں نازل ہوئی اس کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (سورۂ احزاب۔ آیت ۳۲)

یعنی اے رسولؐ کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

اسلام کی یہ خصوصی عنایت ہے کہ اس نے ازواج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی حیات میں یا بعد ممات اپنے گھروں میں رہنے کی تاکید کی ہے اور اس میں اجتماعی اور سیاسی مقاصد کا دخل رہا ہے۔ قرآن مجید واضح طور پر حکم دیتا ہے: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (سورۂ احزاب۔ آیت ۳۳) یعنی اے ازواج رسول تم اپنے گھروں میں بیٹھی رہو۔ اسلام نے یہ چاہا کہ "امہات مومنین" جو بہر طور مسلمانوں کے نزدیک قابلِ احترام ہیں وہ اپنے احترام کو غلط انداز میں استعمال نہ کریں اور بھولے سے بھی سیاسی اور اجتماعی مسائل میں خود غرض اور

فتنہ پرور عناصر کی آرزو کار نہ بنیں۔ جیسے کہ یہ بات ہم پر واضح ہے کہ امہات المومنین میں سے ایک ام المومنین نے اس حکم کی خلاف ورزی کر کے ناگوار سیاسی فتنوں کو عالم اسلام میں راہ دی۔ اگرچہ بعد میں خود انہیں بھی اس بات کا افسوس رہا اور کہا کرتی تھیں: مجھے یہ گوارا تھا کہ پیغمبرؐ خدا سے میری اولادیں ہوتیں اور وہ تلف ہو جاتیں مگر کاش کہ میں اس فتنے میں شریک نہ ہوتی۔

آپ کے بعد آپ کی ازواج کی کسی اور سے تزویج کی ممانعت کا سبب میرے پیش نظر یہی ہے کہ کوئی دوسرا شوہر اپنی زوجہ کی شہرت اور اس کے احترام سے یقیناً ناجائز فائدہ اٹھاتا اور نئے حادثے رونما ہوتے۔ اس بنا پر اگر کہیں ازواج رسولؐ کے بارے میں اس سے بھی زیادہ سخت اور شدید حکم پایا جائے تو اس کا سبب یہی ہے۔

بہرحال وہ آیت جس میں لفظ "حجاب" آیا ہے سورۂ احزاب کی آیت ۵۳ ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے: "وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" یعنی جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔

تاریخ وحدیث کی اصطلاح میں جہاں کہیں بھی آیۂ حجاب کا تذکرہ ہوا ہے مثلاً یہ کہا گیا ہے: آیۂ حجاب کے نزول سے قبل ایسا تھا یا آیۂ حجاب کے نازل ہونے کے بعد ایسا ہوا تو اس سے یہی آیت مراد ہے جو ازواج رسولؐ سے متعلق ہے[1] نہ کہ سورۂ نور کی آیات جن میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ......

---

[1] صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ صفحات ۱۴۸ - ۱۵۱

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ......

(سورۂ نور - آیات ۳۰-۳۱)

یا سورۂ احزاب کی آیت جہاں ارشاد ہوتا ہے: يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ.... (سورۂ احزاب - آیت ۵۹)

لیکن مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ فقہا کے درمیان رائج اصطلاح ستر اور ملبوس کی بجائے لفظ حجاب' پردہ اور پردہ داری کیونکر آنے لگا ہے۔ شاید یہ بات اس وجہ سے پیش آئی ہو کہ اسلامی پردے کو دوسری اقوام کے پردوں پر قیاس کیا گیا۔ ہم اس موضوع پر آگے چل کر زیادہ وضاحت سے گفتگو کریں گے۔

پردہ کی اصل صورت

حقیقت امر یہ ہے کہ ستر یا دورِ حاضر کی اصطلاح میں پردہ کے مسئلہ میں بات یہ نہیں ہے کہ عورت ستر کے ساتھ بھرے مجمع میں آئے یا عریاں؟ بلکہ مقصود یہ ہے کہ کیا مرد کی عورت سے لذت گیری اور اسکی خواہشات کی تکمیل بلاعوض اور عام ہونی چاہیے؟ کیا مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر عورت سے ہر محفل میں باستثنائے زنا زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرے؟

اسلام کہ جس کی نظر مسائل کی اصلیت پر ہے' جواب دیتا ہے: نہیں مرد صرف گھریلو ماحول اور مضبوط عہد و پیمان کے ساتھ ازدواجی قانون کے دائرہ میں عورت کو بیوی کی حیثیت سے اپنے تصرف میں لا سکتا ہے لیکن عام اجتماعات میں کسی نامحرم عورت سے استفادہ قطعاً ممنوع ہے۔ نیز عورت کے لیے بھی یہی پابندی ہے۔

یہ درست ہے کہ مسئلہ کی ظاہری صورت یہ ہے کہ عورت کیا کرے؟ وہ

ستر کے ساتھ باہر آئے یا عریاں؟ یعنی جو چیز عنوان مسئلہ قرار پاتی ہے وہ عورت ہے اور کبھی کبھی اس مسئلہ کو بڑے ہمدردانہ انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ کیا محکومیت' اسیری اور پردہ نشینی سے بہتر نہیں ہے کہ عورت آزاد فضا میں سانس لے؟ لیکن باطن میں کچھ اور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد کو عورت سے زنا کے علاوہ جنسی استفادہ میں مطلق آزادی ہونی چاہیے یعنی اس مسئلہ میں جو فائدہ مرد کو پہنچ رہا ہے وہ عورت کو نہیں۔ بقول ویل ڈوراں:

"اونچے دامن کے کرتے سوائے درزیوں کے تمام دنیا کے لیے ایک نعمت ہیں۔"

پس اصل مسئلہ جنسی خواہش کو شرعی بیویوں اور گھریلو زندگی تک محدود رکھنے یا جنسی لذت کے حصول کو پورے معاشرے کی حد تک بے قید اور وسیع کر دینے کا ہے۔ تاہم اسلام اس پہلی روش کا حامی ہے۔

اسلام کے نقطہ نظر سے گھر بسانے اور رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے عمل میں جنسی لذت کے حصول کی محدودیت باعتبار نفسیات ایک صاف ستھرے ماحول کو پیش کرتی ہے' باعتبار خاندان' خاندان کے افراد کے تعلقات میں استحکام اور میاں بیوی میں مکمل ہم آہنگی پیدا کرتی ہے' باعتبار اجتماع لوگوں کی کارکردگی کی اہلیت اور توانائی کا تحفظ کرتی ہے اور مرد کے مقابل عورت کی حیثیت اور اس منزلت کو بڑھاتی ہے۔

اسلامی پردے کا فلسفہ ہماری نظر میں چند نکات میں منحصر ہے جن میں سے کچھ نفسیاتی پہلو کے حامل ہیں' کچھ گھر اور کنبہ سے متعلق ہیں' کچھ اجتماعی امور سے وابستہ ہیں اور کچھ عورت کی سربلندی اور احترام میں اضافہ سے مربوط ہیں۔

اسلام میں پردے کا مسئلہ مکمل اور محکم اصولوں پر استوار ہے۔ اسلام چاہتا

ہے کہ تمام جنسی لذتیں خواہ ان کا تعلق دیکھنے سے ہو یا چھونے سے، سب گھریلو ماحول اور ازدواجی قانون کے دائرہ میں منحصر رہیں اور بیرونی فضا صرف کام کاج کے لیے ہو۔ عصرِ حاضر میں اس مغربی اسلوب کے برخلاف کہ جہاں کام کاج کو شہوت رانی سے ملا دیا گیا ہے، اسلام چاہتا ہے کہ ان دونوں فضاؤں کو ایک دوسری سے جدا رکھا جائے۔

اب ہم اوپر بیان کیے ہوئے چار امور کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ سکونِ نفس

مرد و زن کے درمیان پردہ کا نہ ہونا اور ان کی بے لگام آزادی نفسانی خواہشات و ہیجانات میں اضافے کا باعث ہوتی ہے اور سیکس کے تقاضے کو ایک نفسانی پیاس اور کبھی پوری نہ ہونے والی تمنا کی صورت بخشتی ہے۔ خواہشاتِ نفس، طاقتور، عمیق اور "سمندر صفت" غریزہ ہیں کہ جن کی جتنی فرمانبرداری کی جائے اتنی ہی سرکش ہو جاتی ہیں، بالکل آگ کی طرح کہ اسے جتنی خوراک دی جائے اس کا شعلہ اتنا ہی بلند ہوتا جائے گا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں دو چیزوں پر توجہ رکھنی چاہیے:

۱۔ تاریخ جس طرح دولت کے پجاریوں کا تذکرہ کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ وہ کس طرح حرص و آز کے ساتھ مال و دولت سمیٹنے کے درپے تھے، وہ جتنا مال جمع کرتے تھے ان کی حرص میں اتنا ہی اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ اسی طرح جنسی مسائل میں حریص افراد بھی اس کے موضوع گفتگو سے خارج نہیں ہیں۔ اس قسم کے افراد بھی مہ جبینوں کے تصرف و تملک میں کسی ایک حد پر آ کر نہیں رکے اور حرم سراؤں کے مالکوں بلکہ ہر صاحب

استطاعت شخص کا یہی وطیرہ رہا ہے۔

"ایران ساسانیوں کے دور میں" نامی کتاب کے مصنف "کرسٹن سن" اپنی کتاب کے نویں باب میں لکھتے ہیں:

"خسرو پرویز کے حرم میں تین ہزار پری زادیوں کی موجودگی کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اس شہریار کو سیری نہیں ہوتی تھی۔ بیوہ عورتیں، صاحب اولاد خواتین اور حسین دوشیزائیں جہاں کہیں بھی اسے دکھائی دے جاتیں وہ انہیں اپنے حرم میں شامل کر لیتا اور جب اس کا دل ان سے بھر جاتا تو وہ اپنے گورنروں کو اپنی پسند کی عورت کے حصول کے لیے فرمائش کرتا، چنانچہ جب انہیں ویسی عورت مل جاتی تو وہ اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے تھے۔"

اس طرح کے واقعات ہمیں قدیم تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں۔ دورِ حاضر میں ان حرم سراؤں کی صورت بدل گئی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ اب یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی خسرو پرویز اور ہارون الرشید جیسے اختیارات کا حامل ہو۔ اس دور میں فرنگی تجدد کی برکت سے خسرو پرویز اور ہارون الرشید کے اختیارات کا لاکھواں حصہ رکھنے والا شخص بھی عورتوں سے انہی کے برابر خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

۲۔ کبھی آپ نے سوچا ہے کہ انسان میں حسِ "تغزل" کیسی حس ہے؟ عالمی ادبیات کا ایک حصہ عشق و غزل سے عبارت ہے۔ ادبیات کے اس حصہ میں مرد اپنے محبوب و معشوق کی مدح سرائی کرتا ہے، اس کے آگے سرِ نیاز خم کرتا ہے، اسے بڑا اور خود کو چھوٹا ظاہر کرتا ہے۔

وہ اپنے آپ کو اس کی معمولی سی عنایت کا نیاز مند قرار دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا معشوق سیکڑوں ہستیوں کو اپنی اک نگاہ ناز سے خرید سکتا ہے۔ پس کیا سبب ہے کہ مرد عجز و نیاز کرتا ہے اور اس کے فراق میں دردمندانہ انداز سے فریاد کرتا ہے۔

یہ سب کچھ کیا ہے۔ آخر کیوں انسان اپنی تمام ضرورتوں کے بارے میں ایسا نہیں کرتا۔ آج تک کبھی آپ نے ایسا دیکھا ہے کہ ڈالر کا ایک پرستار ڈالر کے لیے اور ایک جاہ پسند اپنے مقام و منصب کے لیے "غزل سرائی" کرے؟ کیا اب تک کسی نے روٹی کے لیے غزل سرائی کی ہے، کیوں ہر انسان دوسرے کے اشعار و غزل کو پسند کرتا ہے؟ ایسا کیوں ہے کہ سب لوگ دیوان حافظ سے منفعت اندوز ہوتے ہیں۔ کیا اس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور بھی ہے کہ ہر شخص اسے ایک ایسے عمیق فطری میلان یا غریزہ پر منطبق دیکھتا ہے جو اس کے پورے وجود پر چھایا ہوا ہے۔ کس قدر غلطی پر ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ صرف اقتصاد ہی لوگوں کی بھاگ دوڑ اور فعالیت کا تنہا بنیادی سبب ہے۔

انسان نے جس طرح روحانی امور کے لیے مخصوص موسیقی مرتب کی ہے اسی طرح اپنے جنسی میلانات کے لیے بھی ایک خاص قسم کی موسیقی ترتیب دے رکھی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ روٹی اور پانی جیسی ناگزیر مادی ضروریات کے لیے اس کے پاس کوئی موسیقی نہیں ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تمام عشقیات کا تعلق جنس سے ہے اور میرا یہ بھی مقصد نہیں ہے کہ حافظ، سعدی اور تمام غزل گو شعراء نے محض جنسی میلان کی زبان سے گفتگو کی ہے۔ ان کی تذکرہ محبت کا انداز کچھ اور ہے، جس پر الگ سے گفتگو کی ضرورت ہے۔

لیکن امر مسلم یہ ہے کہ اکثر اظہارِ عشق اور بیشتر غزلیں وہ ہیں جنھیں مرد نے عورت ہی کے لیے مخصوص کیا ہے۔ ہمارے لیے یہ جاننا ہی کافی ہے کہ عورت کی جانب مرد کا میلان، روٹی اور پانی کی طرف رغبت کی طرح نہیں ہے، کیونکہ جہاں پیٹ بھرنے سے انسان قانع اور مطمئن ہو جاتا ہے، اس کے برعکس عورت کے باب میں یہ توجہ حرص و ہوس اور تنوع پسندی کی صورت اختیار کرتی ہے یا عاشقی و غزل سرائی میں بدل جاتی ہے۔ ہم اس پر بعد میں گفتگو کریں گے کہ کن شرائط میں جنسی حرص و ہوس تقویت پاتی ہے اور کن شرائط میں عشق و غزل کی صورت اختیار کرتی ہے اور کب اس پر حقیقی رنگ غالب آتا ہے۔

بہرحال اسلام نے اس پُرجوش جبلت کی حیرت ناک توانائی پر پوری توجہ دی ہے۔ چنانچہ فتنۂ نگاہ، عورت سے خلوت کے خطرے اور اس پُرخطر جذبے کے بارے میں کہ جو مرد اور عورت کو باہم ملا دیتا ہے، بہت سی روایات موجود ہیں۔

اسلام نے اس فطری جذبے کو قابو میں لانے اور اس میں توازن پیدا کرنے کی طرف توجہ دی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں نگاہ کرنے اور دیکھنے کی بابت مرد و زن، دونوں پر ایک مشترکہ فرض عاید کیا ہے:

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ..."

"وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ..."

(سورۂ نور۔ آیات ۳۰-۳۱)

اس دستور کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت اور مرد ایک دوسرے پر نظر نہ کریں۔ آپس میں ہوسناک نگاہوں کا تبادلہ عمل میں نہ لائیں اور لذت اندوزی کے قصد سے آنکھیں چار نہ کریں۔ عورتوں کے لیے ایک خاص فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے بدن کو بیگانہ مردوں سے چھپائے رکھیں اور اجتماعات میں جلوہ نمائی

اور دلربائی سے احتراز کریں۔ کسی طرح، کسی صورت اور کسی بھی بہانے سے ایسا عمل بجا نہ لائیں جو غیر مردوں کی توجہ اور تحریک کا باعث ہو۔

نفسِ انسانی بڑی حد تک اثر پذیر ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ اس کی تحریک پذیری ایک خاص حد تک محدود ہے اور اس کے بعد آگے نہیں بڑھتی۔ بلا تمیز مرد و زن، انسان جس طرح دولت، حصولِ منصب اور مقام، عزّ و وقار سے سیر نہیں ہوتا، اسی طرح جنسی معاملات میں بھی اسے سیری نہیں ہوتی۔ کوئی مرد حسین چہروں کی دید اور کوئی عورت مردوں کو متوجہ کرنے اور ان کے دلوں پر قبضہ جمانے کی خواہش سے اور بالآخر کوئی دل ہوس سے سیر نہیں ہوتا۔

پھر یہ لامحدود خواہش کسی صورت میں پوری ہونے والی نہیں۔ وہ ایک طرح کے احساسِ محرومیت سے دوچار رہتی ہے اور آرزوؤں میں ناکامی بجائے خود باطنی نقائص اور نفسیاتی بیماریوں کی آماجگاہ ہے۔

آخر مغربی دنیا میں نفسیاتی بیماریوں کی اتنی بہتات کیوں ہے؟ اس کا سبب یہی جنسی آزادی اور سیکس کی وہ ترغیبات ہیں جو انہیں اخباروں، رسالوں، سینماؤں، تھیٹروں اور سرکاری و غیر سرکاری تقریبات، یہاں تک کہ سڑکوں اور گلیوں میں بھی ملتی ہیں۔

لیکن اسلام میں خصوصی طور پر عورتوں کے لیے ستر یا پردے کا حکم اس لیے آیا ہے کہ ان میں خود نمائی اور خود آرائی کی خواہش شدت سے پائی جاتی ہے۔ قلب و ذہن پر تصرف کے اعتبار سے مرد شکار ہے اور عورت شکاری۔ جبکہ جسم و جان پر تصرف کے اعتبار سے عورت شکار ہے اور مرد شکاری۔ بناؤ سنگھار اور خود آرائی پر عورت کی دائمی توجہ اس کے اسی شکار یا نہ

قریب لاتا ہے۔

ستر پوشی کا فلسفہ اور غیر عورت سے جنسی تعلقات کی ممانعت کا سبب گھریلو ماحول کے نقطہ نظر سے یہ ہے کہ صرف انسان کی قانونی بیوی نفسیات کے اعتبار سے مرد کو خوشنود کرنے کا ذریعہ ہو، جبکہ جنسی آزادی کے ماحول میں نفسیاتی اعتبار سے قانونی بیوی ایک رقیب، رکاوٹ اور مرد پر داروغہ سمجھی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں گھریلو ماحول میں دشمنی اور نفرت کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔

آجکل کے نوجوانوں کا مختلف بہانوں کے ذریعے شادی سے انکار کا سبب بھی یہی بات ہے، حالانکہ پچھلے وقتوں میں شادی کا شمار نوجوان نسل کی دلی تمناؤں میں ہوتا تھا اور جب تک تہذیب مغرب نے عورتوں کو ایک بازاری جنس نہیں بنایا تھا نوجوان شبِ زفاف کو تختِ شاہی سے کم نہیں سمجھتے تھے۔

گزشتہ ایام میں شادی طویل انتظار اور بڑی تمناؤں کے بعد انجام پذیر ہوتی تھی اور اسی لیے میاں بیوی ایک دوسرے کو اپنے لیے باعثِ سعادت و نیک بختی سمجھتے تھے لیکن آج ازدواج کے دائرہ سے ہٹ کر جنسی لذت اندوزی کو اتنا فروغ حاصل ہے کہ اب شادی میں کوئی لذت باقی نہیں رہتی ہے۔

لڑکے اور لڑکیوں کے آزادانہ میل جول نے شادی کو ایک ایسی صورت دے دی ہے کہ اب اسے اخلاقی پند و نصائح یا جیسا کہ بعض اخبارات مشورہ دیتے ہیں " زور اور زبردستی سے نوجوانوں پر مسلط کیا جائے۔

طرزِ احساس کا مظہر ہے۔ دنیا کے کسی حصہ میں یہ بات دیکھنے میں نہیں آتی کہ مرد بدن کی جھلک دکھانے والا لباس زیب تن کرے اور ہیجانات کو برانگیختہ کرنے والے سنگھار سے اپنے آپ کو زینت بخشے۔ یہ عورت کا عمل ہے کہ وہ اپنے فطری میلان کے تحت دلربائی کے انداز اختیار کرے اور مردوں کو اپنی محبت کا اسیر بنائے۔ چونکہ حد سے بڑھا ہوا بناؤ سنگھار اور نیم برہنگی کی کیفیت، عورت کے انحراف اور کجروی کی علامت ہے۔ اس لیے پردے کا حکم بھی اسی کے لیے صادر ہوا ہے۔

جنسی جبلت کی طوفان خیزیوں اور برٹرینڈ رسل جیسے افراد کے دعووں کے برعکس یہ بات کہ جنسی جذبہ کو آزاد چھوڑ دینے اور جذبات کو ابھارنے کے وسائل کی فراہمی سے یہ جذبہ ہرگز سیر نہیں ہوتا۔ نیز مردوں کی نظر بازی اور عورتوں میں بناؤ سنگھار کے میلان کے بارے میں ہم آگے چل کر گفتگو کرینگے۔

۲۔ خاندانی روابط میں استحکام

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہر چیز جو خاندانی روابط میں استحکام کا باعث ہو، میاں بیوی کے درمیان خلوص پیدا کرے اور گھریلو ماحول کے لیے مفید ہو۔ اس کو عمل میں لانے کے لیے تمام تر کوششوں کو بروئے کار لایا جانا چاہیے۔ اس کے برعکس ہر وہ چیز جو زوجہ و شوہر کے روابط میں کمزوری اور سرد مہری کا باعث ہو، وہ گھریلو زندگی کے لیے باعث ضرر ہے لہٰذا اسے نابود کر دینا چاہیے۔

ازدواجی زندگی کے دائرہ اور گھریلو فضا میں جنسی لذت اندوزی کا اختصاص میاں بیوی کے رشتہ کو استحکام بخشتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کے

جنسی روابط کو گھریلو ماحول اور قانونی ازدواج کے دائرہ میں محدود کرنے والے معاشرے اور مرد و زن کے بے روک ٹوک میل جول کے حامی آزاد خیال معاشرے میں فرق یہ ہے کہ پہلے معاشرے میں شادی کرنے سے انتظار و محرومیت کا اختتام اور دوسرے معاشرے میں محرومیت اور پابندی کا آغاز ہوتا ہے۔ جنسی آزادی کے ماحول میں شادی کا بندھن لڑکے اور لڑکی کی آزادی کے دور کا خاتمہ کر دیتا ہے اور انہیں اس امر پہ مجبور کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وفادار بن کر رہیں۔ درآنحالیکہ اسلامی معاشرے میں شادی ان کی محرومیت اور انتظار کو ختم کرتی ہے اور ان کے لیے پیغام مسرت لاتی ہے۔

آزاد تعلقات کا طریقہ اول تو نوجوان نسل کو جہاں تک ہو سکے شادی اور خانہ آبادی سے روکتا ہے اور انہیں صرف اسی وقت اس اقدام کی طرف راغب کرتا ہے جب جوانی کا ولولہ اور نشاط، ضعف اور سستی میں بدلنے لگتا ہے۔ ایسے موقع پر وہ عورت سے صرف اولاد کے متمنی ہوتے ہیں یا پھر اسے اپنی خدمت اور کام کاج کے لیے چاہتے ہیں۔ یہ طرز عمل ازدواجی بندھن کو کمزور کر دیتا ہے اور بجائے اس کے کہ ایک گھرانہ عمیق محبت اور سچی چاہت کی بنیاد پر وجود میں آئے اور مرد و زن باہم ایک دوسرے کو اپنی سعادت کا سبب سمجھیں، اس کے برعکس ان میں رقیبانہ انداز فکر پیدا ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو اپنی سلب آزادی کا سبب سمجھنے لگتے ہیں۔ آجکل کے خاص الفاظ میں وہ ایک دوسرے کو جیلر کہنے لگتے ہیں۔

جب کوئی لڑکا یا لڑکی یہ کہے کہ اس نے شادی کر لی ہے تو وہ کہتی ہے کہ اس نے اپنے لیے جیلر ڈھونڈ لیا ہے۔ یہ تعبیر کیوں ہوئی؟ اس لیے کہ وہ شادی

سے پہلے آزاد تھی، جہاں چاہے جا سکتی تھی، جس کے ساتھ چاہے رقص کر سکتی تھی اور اسے کوئی کچھ کہنے والا نہیں تھا لیکن شادی کے بعد اب ان آزادیوں پر پابندی لگ گئی ہے۔ اگر ایک رات دیر سے گھر پہنچی تو شوہر باز پرس کرے گا کہ کہاں گئی تھی۔ اسی طرح مرد اگر کسی محفل میں بڑے جوش و خروش سے کسی عورت کے ساتھ محو رقص ہو تو اس کی بیوی اس پر معترض ہو گی۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں گھریلو رابطہ کس قدر سرد اور ناقابلِ اطمینان ہو گا۔

برٹرینڈرسل جیسے بعض افراد کا خیال ہے کہ آزادیوں پر پابندی کا مقصد فقط مرد کا اپنی نسل کے لیے اطمینانِ قلب کا حصول ہے۔ اس مشکل کو آسان کرنے کے لیے مانع حمل ادویات تیار کی گئی ہیں، جن کی بدولت عورت نسل پر اختیار رکھتی ہے لیکن یہاں مسئلہ صرف پاکیٔ نسل کا ہی نہیں ہے بلکہ ایک اور مسئلہ زوجین کے درمیان سچے اور پاک جذبات کا وجود اور ان میں مکمل اتحاد و یگانگت کی فضا کا قیام بھی ہے۔ یہ بات اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب زوجین غیروں اور نامحرموں سے پرہیز کریں۔ مرد کسی دوسری عورت پر نظر نہ رکھے اور عورت بھی ہمیشہ شوہر کے علاوہ کسی اور کی توجہات کو اپنی طرف مبذول کرنے کی ٹوہ میں نہ رہے۔ علاوہ ازیں، ہر قسم کے جنسی تعلقات سے صرف نظر کیا جائے حتیٰ کہ شادی سے قبل کے مرحلہ میں بھی اس کا خیال رکھا جائے۔

علاوہ اس کے وہ شوہر دار عورت جو اس حد تک "ترقی یافتہ" ہو کہ رسل جیسے افراد کی پیروی میں "جدید جنسی اخلاق" پر عمل پیرا ہو اور اپنی محبت کا مرکز کسی غیر مرد کو بنائے اور رنگ رلیاں مناتی رہے۔ کیا بھروسا ہے کہ وہ مانع حمل دواؤں سے اپنے ناپسندیدہ قانونی شوہر سے قرار پانے والے

حمل کو ضائع نہیں کرے گی اور اس کے بجائے اپنے محبوب کے نطفے سے پیدا ہونے والے فرزند کو قانونی شوہر سے نسبت نہ دے گی۔ یقیناً ایسی عورت یہی چاہے گی کہ اس کا بچہ اس کے پسندیدہ مرد سے ہو اور اس شخص کی نشانی نہ ہو جو صرف قانونی حیثیت سے اس کا شوہر ہے۔ اسی طرح مرد بھی فطرتاً ایسی عورت سے صاحب اولاد ہونا چاہتا ہے جسے وہ قلب کی گہرائیوں سے چاہتا ہو نہ اس عورت سے جو زورِ قانون سے اس کے ساتھ وابستہ کی گئی ہو۔ یورپ کی دنیا نے عملاً یہ دکھا دیا ہے کہ احتیاطی تدابیر اور حمل زائل کرنے والے وسائل کی بہتات کے باوجود ناجائز بچوں کی تعداد وحشتناک حد تک بڑھ گئی ہے۔

۳۔ مستحکم معاشرہ

جنسی لذائذ کے حصول کو گھر کے ماحول سے نکال کر پورے معاشرے کی حد تک وسیع کرنا قوت کارگزاری میں خلل پیدا کرتا ہے اور اس سے معاشرے کی بنیادیں ہل جاتی ہیں اور یہ بات اس اعتراض کے بالکل برعکس ہے، جسے پردہ کے مخالفین پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: "پردہ افرادِ معاشرہ کے تقریباً نصف حصے کی توانائی مفلوج کرتا ہے۔" حالانکہ بے پردگی اور آزاد جنسی تعلقات کی ترویج اجتماعی کارکردگی کو مفلوج بناتی ہے۔

عورتوں کی توانائی کو مفلوج بنانا ان کی صلاحیتوں کو پابہ زنجیر کرنا ہے جبکہ اسلام میں پردہ عورت کو مقید کرنے کے مفہوم میں نہیں ہے کہ جس سے وہ علمی، اجتماعی اور اقتصادی کوششوں سے محروم ہو جائے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ عورت گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ ہی وہ اس کو تحصیل علم و دانش سے روکتا ہے بلکہ اس نے تو علم و دانش کو ہر مرد و زن کے لیے مشترک فریضہ قرار دیا ہے۔

اسلام نے عورت کو معاشی جدوجہد سے نہیں روکا، وہ یہ نہیں چاہتا کہ عورت بے کار بیٹھی رہے اور اس کا وجود عبث ہو کر رہ جائے۔ چہرے اور ہاتھ کی ہتھیلیوں کے علاوہ ستر بدن کسی طرح بھی علمی، اجتماعی یا اقتصادی امور کی راہ نہیں روکتا، جو چیز اجتماعی امور کو ٹھیس پہنچانے والی ہے وہ کاروباری ماحول میں شہوت رانی کا دخل ہے۔

اگر لڑکے لڑکیاں علیحدہ ماحول میں علم حاصل کریں یا بالفرض ایک ساتھ تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف ہوں مگر ستر پوشی کا خیال رکھیں اور کسی قسم کا بناؤ سنگھار نہ کریں تو کیا وہ بہتر طور پر تعلیم پر توجہ دے سکتے ہیں یا اس کے برعکس رانوں سے بالشت بھر اونچائی رکھنے والے اسکرٹ کے ساتھ لڑکیاں لڑکوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھیں یا ان کی توجہ کہیں اور ہو؟ کیا کوئی فرد سڑکوں، بازاروں، دفتروں اور کارخانوں وغیرہ میں اس ماحول میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتا ہے جبکہ ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے لڑکیوں کے بنے سجے شہوت انگیز چہرے رقص کناں ہوں؟ اگر آپ اس حقیقت کو سمجھنا چاہیں تو ان لوگوں سے پوچھیں جو اس ماحول میں کام کرتے ہیں۔ وہ کمپنیاں یا ادارے جو شدت سے بہتر کارکردگی کے خواہاں ہیں اس طرح کے ماحول سے پرہیز کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے درمیان یہ ذلت آمیز عریانی کہ جہاں ہم نے یورپ اور امریکا کو بھی شرما دیا ہے، یہ مغربی سرمایہ دار اور شہوت پرست اقوام کا تحفہ ہے اور حقیقت میں یہ انسانی معاشروں کو نیم جاں اور ناکارہ بنانے کے لیے ایک خاص طریقہ ہے۔ اس طرح وہ ایک بے جان معاشرے کو اپنا دست نگر بنا لینے کے بعد اسے اپنے کارخانوں کی مصنوعات کے استعمال پر مجبور کر دیتے ہیں۔

روزنامہ اطلاعات کے شمارہ ۵ ستمبر ۱۹۷۷ء میں اشیائے خوردونوش اور سامانِ تعیش کے استعمال کے بارے میں مرکزی دفتر شماریات کی شائع کردہ رپورٹ کا ایک حصہ یہ ہے:

"صرف ایک سال کے عرصے میں عورتوں کے لیے لپ اسٹک، غازہ، کریم پوڈر اور آئی شیڈو جیسے سنگھار کے لوازمات پر مشتمل سامان دو لاکھ دس ہزار کیلو کی مقدار میں امپورٹ ہوا ہے۔ اس مقدار میں سے ایک لاکھ اکیاسی ہزار کیلوگرام مختلف قسم کی کریمیں ہیں۔ مزید برآں اس ایک سال کے عرصے میں ۱۶۵۰ بلاؤز، ۲۵۰۰ درجن پوڈر کے ڈبے، ۴۶۰۴ عدد غازہ ٹیوب، بدن کو دبلا کرنے والے صابن کی ۲۲۸۰ ٹکیاں اور میک اپ کی ۲۲۸۰ شیشیاں درآمد کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ البتہ اس مقدار میں ۳۱۰۰ عدد آئی شیڈو اور ۲۴۰۰ عدد آئی لائنر کو بھی شامل کرنا ہوگا۔"

جی ہاں ایرانی عورت کو جدت، ترقی اور وقت کے ساتھ چلنے کے بہانے ہر روز اور ہر لمحہ سرمایہ دار ممالک کے تیار کردہ سامانِ آرائش کے ساتھ سج کر اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ یورپی کارخانوں کے لیے ایک قابلِ قدر اور لائق صارف کی حیثیت سے دادِ تحسین حاصل کریں۔ اگر ایرانی عورت فقط اپنے قانونی شوہر یا عورتوں کی محافل کے لیے بناؤ سنگھار کرے تو وہ نہ تو مغربی سرمایہ داروں کے لیے ایک لائق صارف بن سکتی ہے اور نہ ہی اس دوسرے فریضے کو انجام دے سکتی ہے جو نوجوان نسل کے اخلاقی انحطاط اور اجتماعی کوششوں میں رکاوٹ سے متعلق ہے اور جس سے مغربی

استعمار کا مفاد وابستہ ہے۔

غیر سرمایہ دار معاشرے میں لادینی رجحانات کے باوجود عورت کی آزادی کے نام پر اس طرح کی رسوائی کم ہی نظر آتی ہے۔

۴۔ عورت کا احترام اور اس کی قدر و منزلت

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مرد جسمانی اعتبار سے یقیناً عورت کے مقابل برتری رکھتا ہے۔ ذہن و فکر کے اعتبار سے بھی مرد کا عورت پر تفوق قابل ذکر ہے' ان دونوں محاذوں پر عورت مرد کے مقابل نہیں آسکتی لیکن عورت نے ہمیشہ شفقت اور رحم دلی میں مرد پر اپنی فضیلت ثابت کی ہے۔ عورت ہی نے زن و مرد کے درمیان پردے کو اپنے تحفظ کے لیے برقرار کیا ہے۔

اسلام نے عورت کو ترغیب دلائی ہے کہ وہ اس سلسلے میں پردے سے استفادہ کرے۔ اسلام نے خاص طور پر یہ تاکید کی ہے کہ عورت جس قدر سنجیدہ' باوقار اور پاکدامن ہوگی اور اپنے آپ کو مردوں سے چھپائے رکھے گی' اس کے احترام میں اتنا ہی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ آگے چل کر سورۂ احزاب کی تفسیر میں ہم دیکھیں گے کہ قرآن مجید اس تاکید کے بعد کہ عورتیں پردہ اختیار کریں فرماتا ہے: ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ (سورۂ احزاب۔ آیت ۵۹) یعنی یہ عمل اس لیے ہے کہ عورت کو پاکدامن سمجھا جائے اور یہ معلوم ہو کہ وہ اپنے آپ کو اجتماع عام میں پیش نہیں کرتی۔ اس کے نتیجے میں بیہودہ اور بد اخلاق افراد اس کے مزاحم نہیں ہوں گے۔

چوتھا باب

پردے پر اعتراضات اور اشکالات

پردہ اور منطق

سب سے پہلا اعتراض جو پردہ پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اسکی کوئی معقول دلیل نہیں ہے، جو بات مطابق عقل نہ ہو ہمیں اس کا دفاع نہیں کرنا چاہیے۔ پردے کے اسباب میں ان چند باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ تحفظ اور امن و امان کا نہ ہونا

۲۔ رہبانیت اور ترکِ لذت کا تخیل

۳۔ مرد کی خود غرضی اور حکمرانی کا جذبہ

۴۔ ایامِ حیض میں عورت کی نجاست کا نظریہ

پردے کی نسبت سے یہ تمام تخیلات ایک دم مہمل، باطل، غیر صحتمند اور خرافات پر مشتمل ہیں۔

پردے کے غیر منطقی اور نامعقول ہونے کا جواب ہماری اس گفتگو

سے واضح ہو گیا جسے ہم پچھلے حصے میں عرض کر چکے ہیں۔ اس حصے کے مباحث سے معلوم ہو گیا ہے کہ پردہ ـــ البتہ اسلامی مفہوم کے اعتبار سے ـــ نفسیاتی، خاندانی، اجتماعی اور یہاں تک کہ عورت کی قدر و منزلت میں اضافے کے پہلو سے بھی ایک معقول منطق کا حامل ہے اور چونکہ ہم نے اس کی تفصیل پچھلے حصہ میں پیش کر دی ہے، لہٰذا اس حصے میں اس کی تکرار نہیں ہو گی۔

پردہ اور حقیقت آزادی

پردے پر ایک اور اعتراض یہ وارد کیا گیا ہے کہ پردہ نے عورت کا حق آزادی سلب کر لیا ہے جو ہر بشر کا بنیادی حق ہے اور اس سے عورت کی بشری حیثیت کی توہین ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انسانی مقام و حیثیت کا احترام اعلان حقوق انسانی کی شقوں میں سے ایک شق ہے۔ ہر مذہب و ملت کا انسان، وہ مرد ہو یا عورت، سفید ہو یا سیاہ، صاحب احترام اور آزاد ہے۔ عورت کو پردے کے لیے مجبور کرنا، اس کے حق آزادی سے انکار اور اس کی انسانی حیثیت کی توہین و تذلیل ہے، دوسرے لفظوں میں یہ عورت پر سراسر ظلم ہے۔ انسانی عزت و کرامت اور عورت کی آزادی کا استحقاق نیز عقل و شرع کا یہ حکم کہ کوئی شخص بلا سبب کسی کو قید و بند کی زحمتوں میں نہ ڈالے اور ظلم کسی شکل اور کسی بہانے سے بھی روا نہ رکھا جائے، اس بات کا متقاضی ہے کہ رسم پردہ کو ختم کیا جائے۔

بار دیگر یہ بتانا ضروری ہے کہ عورت کی گھر میں اسیری اور بیگانہ مرد کے سامنے جانے سے پہلے برقعہ یا چادر اوڑھ لینے میں بڑا فرق ہے۔ اسلام میں عورت کے لیے قید و اسارت نہیں ہے۔ شرع مقدس اسلام میں پردہ عورت کے

ذمہ ایک فریضہ ہے کہ وہ مردوں کے سامنے جانے سے پہلے پوشاک میں ایک خاص وضع کا لحاظ رکھے۔ یہ فریضہ نہ مردوں کی طرف سے عورت پر عائد ہوا ہے' اور نہ ایسی بات ہے جو عورت کے مقام وحیثیت کے برخلاف ہو یا اس کے بنیادی حقوق کے منافی ہو جو خداوند عالم نے اسے عطا کیے ہیں۔

اگر بعض اجتماعی مصالح کی رعایت مرد یا عورت کو مقید کر دے کہ وہ معاشرت میں خاص روش کا خیال رکھیں اور وہ راہ اختیار کریں جس سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے اور اخلاقی معیار برقرار رہے تو اسے "اسیری" یا "غلامی" نہیں کہا جا سکتا اور نہ وہ انسانی حیثیت یا حقیقت آزادی کے منافی ہے۔

دنیا کے متمدن ممالک میں آج بھی مردوں پر اس طرح کی پابندیاں عاید ہیں کہ وہ برہنہ یا سونے کے لباس میں باہر نہیں آ سکتے' بلکہ اگر وہ پاجامہ کے ساتھ باہر نکلیں تو پولیس انہیں دھر لیتی ہے کہ انہوں نے معاشرتی اصول کا خیال نہیں رکھا۔ جب اخلاقی اور اجتماعی مصلحتیں افراد کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ رہن سہن کے طریقوں میں خاص اسلوب کے پابند رہیں مثلاً مکمل لباس کے ساتھ باہر آئیں تو یہ چیز غلامی نہ ہوگی' نہ اسیری' نہ ہم اسے انسانی حیثیت اور آزادی کے خلاف کہہ سکتے ہیں اور نہ یہ عمل ظلم و زیادتی ہوگا اور نہ عقل کے منافی ہوگا۔

اس کے برعکس اسلام کے بتائے ہوئے حدود میں عورت کا ڈھکا چھپا رہنا اس کی شخصیت اور احترام میں اضافے کا باعث ہوتا ہے کیونکہ وہ اسے مفنگوں اور اخلاق سے عاری افراد سے محفوظ رکھتا ہے۔

عورت کی شرافت اس بات کی مقتضی ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو متین اور باوقار ہو اور چال ڈھال اور لباس میں وہ طرز اختیار کرے جس سے کسی کے جنسی جذبات برانگیختہ نہ ہوں۔ وہ عملاً کسی مرد کو اپنی طرف دعوت

نہ دے۔ پرکشش لباس سے اجتناب کرے۔ ایسی چال نہ چلے جو دیکھنے والوں کو اپنی طرف دعوت دے، کسی خاص معنی خیز انداز میں گفتگو نہ کرے، اس لیے کہ بعض اوقات ادائیں کلام کرتی ہیں۔ انسان کا چلنا پھرنا زبان حال رکھتا ہے اور اس کا طرزِ گفتگو دلی جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

سب سے پہلے میں اپنے گروہ یعنی گروہِ علماء کی مثال دیتا ہوں: اگر ایک عالم اپنی وضع قطع کو معمول سے ہٹ کر مرتب کرے، پگڑی کے حجم کو بڑھائے۔ داڑھی کے طول میں اضافہ کرے اور ایک خاص شان کے ساتھ کاندھوں پر عبا اور ہاتھ میں عصا لے تو یہ انداز اور یہ شکل و صورت زبان حال سے کہتی ہے کہ میرا احترام کرو میرے لیے راستا چھوڑو میرے سامنے مؤدب کھڑے رہو اور میرے ہاتھوں کو بوسہ دو۔

اسی طرح ایک اعلےٰ افسر جب سینے پر تمغے لگائے، گردن تانے زور زور سے اپنے قدم زمین پر مارتا ہے اور بڑی نخوت اور تکبر کے ساتھ بھاری آواز میں گفتگو کرتا ہے تو عملاً "بہ زبان بے زبانی" کہتا ہے کہ مجھ سے ڈرو اور اپنے دلوں پر میرے رعب داب کو طاری کرو۔

کیا عورت کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ دلربائی کا انداز اختیار کرے۔ اگر وہ نہایت سادگی اور خاموشی سے رفت و آمد کا سلسلہ رکھے اور لوگوں کی شہوت انگیز نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ نہ ہونے دے تو کیا یہ بات عورت کی شخصیت یا مرد کی حیثیت یا معاشرے کے مصالح کے خلاف ہے یا اس سے کسی فرد کی آزادی سلب ہوتی ہے؟

ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں مقید کرنا چاہیے، اس پر باہر آنے جانے کے راستے بند کر دینے چاہئیں تو یہ امر عورت کی فطری

آزادی اور انسانی حقوق کے منافی ہے اور یہ بات غیر اسلامی پردوں میں تو پائی جاتی ہے مگر اسلامی پردہ میں نہ پہلے کبھی تھی اور نہ اب ہے۔

آپ اگر فقہا سے استفسار کریں کہ کیا عورت کا محض گھر سے باہر جانا حرام ہے تو جواب ملے گا نہیں۔ اگر آپ یہ پوچھیں کہ کیا عورت کا مرد سے لین دین حرام ہے؟ تو جواب ملے گا نہیں۔ کیا مجالس، محافل اور اجتماعات میں عورت کا داخلہ ممنوع ہے؟ جواب پھر نفی میں ہوگا۔ تمام عورتیں مسجدوں، مجلسوں اور وعظ و نصیحت کی محفلوں میں شرکت کرتی ہیں مگر کسی نے ان سے نہیں کہا ہے کہ ان محافل میں عورت کی شرکت حرام ہے جس میں مرد موجود ہوں۔ کیا عورت کے لیے حصول علم، فن و ہنر کی تعلیم اور ان صلاحیتوں کی تکمیل حرام ہے جنہیں خداوند عالم نے اس کے وجود میں سمو رکھا ہے؟ تو یہاں بھی جواب نفی ہی میں ہوگا۔

مسائل صرف دو ہیں ایک شرعی ستر پوشی اور دوسرے خود نمائی اور جنسی میلانات کو ابھارنے والی کیفیت کے ساتھ عورت کے باہر جانے کی ممانعت۔ مصلحت اس بات میں ہے کہ عورت کا گھر سے باہر نکلنا مرد کی رضایت اور اس کی مصلحت اندیشی کے ساتھ ہو البتہ مرد کو بھی گھریلو مصالح کی حد تک اپنا نظریہ یا اپنی رائے پیش کرنی چاہیے اس سے بڑھ کر نہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت کا اپنے ہی گھر والوں سے ملنا خلافِ مصلحت ہے مثلاً عورت چاہتی ہے کہ اپنی بہن کے گھر جائے مگر اس کی بہن مفسد اور مفتّن ہے جو گھریلو مصالح کے خلاف عورت کو بھڑکاتی ہے۔ تجربہ بھی یہ بتاتا ہے کہ ایسے واقعات کی کمی نہیں ہے بعض اوقات تو عورت کا اپنی ماں سے ملنا بھی گھریلو مصلحت کے خلاف ہے کیونکہ جب وہ اس سے مل کر آتی ہے تو ہفتہ بھر تک شوہر سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی اور زندگی تلخ اور ناقابل برداشت

ہو جاتی ہے تو ایسے مواقع پر شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے وہاں جانے سے روک دے اور اس پر پابندی عاید کرے تاکہ اس کا گھر یا اس کے بچے کسی آنے والے نقصان سے محفوظ رہیں لیکن جو باتیں گھریلو مسائل کو متاثر نہ کرتی ہوں اس میں مرد کی دخالت بے معنیٰ ہے۔

سرگرمیوں میں رکاوٹ

تیسرا اعتراض جو پردہ پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ پردہ زندگی کے مختلف شعبوں کی سرگرمیوں میں رکاوٹ کا باعث ہے اور وہ عورت کی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار آنے سے روکتا ہے۔

عورت بھی مرد کی طرح ذوق و شوق اور فکر و فہم کی حامل ہے۔ قدرت نے اسے بھی کام کرنے کی صلاحیت اور استعداد عطا کی ہے جو بیکار اور عبث نہیں ہے اور اسے کام میں لانا چاہیے۔

بنیادی طور پر ہر فطری استعداد فطری حق کی دلیل ہے۔ جب کسی ہستی کی خلقت میں کسی کام کی صلاحیت و استعداد رکھ دی جاتی ہے تو یہ اس کے لیے ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے کہ اسے اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کو بروئے کار لائے۔ درحقیقت اس کی صلاحیت کی راہ روکنا ظلم ہے۔

آخر ہم کیوں کہتے ہیں کہ تمام افرادِ بشر کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ علم حاصل کرے لیکن ہم یہ بات بے شعور جانداروں کے لیے نہیں کہتے، اس لیے کہ انسان میں تحصیلِ علم کی صلاحیت موجود ہے اور حیوانات اس سے عاری ہیں۔ جانور تغذیہ اور تولیدِ مثل کی صلاحیت رکھتا ہے اور ان امور سے اسے محروم کرنا خلافِ عدالت ہے۔

عورتوں کو ان کی صلاحیتوں سے محروم کرنا جنہیں قدرت نے ان کی خلقت میں سمو رکھا ہے نہ صرف عورت پر ظلم ہے بلکہ معاشرے کے ساتھ خیانت بھی ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کی فطری اور خداداد توانائیوں کو معطل اور بے اثر کردے وہ معاشرے کے لیے مضرت رساں ہے۔ عورت کا شمار بھی انسانوں میں ہوتا ہے اور معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسکی استعداد اور تولیدی توانائیوں سے بہرہ مند ہو۔ عورت کی اپنے انفرادی اور فطری حق سے محرومیت نہ صرف معاشرے کی نصف توانائی کو مفلوج کرتی ہے بلکہ اس عمل سے وہ مرد پر بھی ایک بار بن جاتی ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی پردہ جس کے حدود ہم بہت جلد بیان کرنے والے ہیں عورت کی توانائیوں اور اس کی فطری استعداد کو ختم کرنے والا نہیں ہے۔ یہ اعتراض اس پردے پر عاید ہوتا ہے جو ہندوؤں، قدیم ایرانیوں یا یہودیوں میں رائج رہا ہے لیکن اسلامی پردہ عورت کو گھر کی چاردیواری میں مقید نہیں کرتا اور اس کی صلاحیتوں کے اظہار کی راہ نہیں روکتا۔ اسلامی پردے کی بنیاد جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں جنسی التذاذات کو گھر کی حدود اور اپنے زوج سے وابستہ رکھنا اور ماحول اور معاشرے کو صرف کام کاج کے لیے اختصاص دینا ہے۔ اسی لیے عورت کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو مردوں کے احساسات کو برانگیختہ کرے۔ اسی طرح مرد کو بھی اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ ہر قسم کی عورتوں کو تاڑتا پھرے۔ ایسا پردہ نہ صرف یہ کہ عورت کے کام کاج کی توانائی کو مفلوج نہیں کرتا بلکہ پورے معاشرے کی قوتِ عمل کو تقویت پہنچاتا ہے۔

اگر مرد جنسی میلانات کو اپنی قانونی شریک حیات کے لیے مخصوص کر دے اور یہ فیصلہ کرلے کہ گھر سے باہر معاشرہ میں قدم رکھ کر وہ ان مسائل کی طرف ہرگز

توجہ نہیں دے گا تو وہ یقیناً بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکے گا۔ ایسا کرنے سے اس کی توجہ کبھی کسی عورت یا کسی لڑکی کے قدوقامت اور اس کی طنازی اور عشوہ گری کی طرف نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ اس فکر میں نہیں رہے گا کہ کس طرح فلاں عورت سے ملاقات کی صورت پیدا ہو۔

کیا عورت کا سادگی کے ساتھ باوقار طریقے سے کام پر جانا معاشرے کے لیے اچھا ہے یا یہ کہ وہ باہر نکلنے سے پہلے کئی گھنٹے سنگھار میز کے سامنے اپنا قیمتی وقت تلف کرے اور جب باہر نکلے تو اس کوشش میں رہے کہ تمام مردوں کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرے اور ان نوجوانوں کو جنہیں معاشرے کے عزم، ارادے، کارگزاری اور فیصلوں کا مظہر ہونا چاہیے انہیں ایک بے مقصد، ہوسناک اور شہوت پرست عنصر میں بدل دے۔

حیرت کا مقام ہے کہ پردے کو نصف معاشرے کے مفلوج ہونے کا بہانہ بنا کر تمام مرد و زن کی توانائیوں کو بے لگامی اور بے پردگی سے مفلوج کر دیا گیا ہے۔ نتیجے کے طور پر عورت کا کام باہر جانے کے لیے گھنٹوں سنگھار میز کے سامنے خود آرائی اور مرد کا کام بس تاک جھانک اور شکار ڈھونڈنا رہ گیا ہے۔

اس مقام پر ایک مرد کی اپنی عورت کے خلاف شکایت کا وہ متن درج کرنا نامناسب نہیں ہوگا جو عورتوں کے ایک رسالے نے شائع کیا تھا، اس سے یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ موجودہ حالات نے عورت کی کیا صورت بنا دی ہے:

> "میری بیوی سونے کے موقع پر اپنے آپ کو مکمل طور پر ایک جوکر بنا لیتی ہے۔ وہ ایک بڑی جالیدار ٹوپی اپنے سر پر باندھتی ہے تاکہ سوتے وقت اس کے بال خراب نہ ہوں۔

اس کے بعد سونے کا لباس زیب تن کرتی ہے اور پھر سنگھار میز
کے سامنے بیٹھ کر اپنا میک اپ اتارتی ہے۔ اپنے منہ کا کریم ایک
خاص مواد کے ساتھ دھوتی ہے اور جب پلٹ کر دیکھتی ہے تو
ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ میری بیوی نہیں ہے۔ اس کی دونوں
بھویں ترشی ہوئی ہوتی ہیں' جب وہ اپنا چہرہ صاف کرتی ہے
تو اس کے ساتھ اس کی وہ بھویں بھی صاف ہو جاتی ہیں جسے
اس نے پنسل سے بنا رکھا تھا۔ اس کے چہرے سے ناگوار بو
میرے دماغ تک پہنچتی ہے کیونکہ جھریاں مٹانے کے لیے جو
کریم وہ استعمال کرتی ہے اس سے اٹھنے والی کافور کی بو
مجھے قبرستان کی یاد دلاتی ہے۔ کاش معاملہ یہیں ختم ہو جاتا
لیکن ابھی آغازِ کار ہے۔ کچھ دیر چل پھر کر کمرہ کو ٹھیک ٹھاک
کرتی ہے اور پھر نوکر کو آواز دے کر اس سے تھیلیاں منگواتی
ہے۔ نوکر چار سفید کھدر کی تھیلیاں لے کر اوپر آتا ہے بیگم صاحبہ
پلنگ پر لیٹ جاتی ہیں اور نوکر ان کے ہاتھوں اور پیروں
پر وہ تھیلیاں چڑھاتا ہے اور ان کے سرے کس دیتا ہے
تاکہ ہاتھوں اور پیروں کے بڑھے ہوئے ناخن لحاف سے نہ
الجھیں اور ان کے ٹوٹنے کا احتمال نہ رہے اور اس طرح آخرکار
وہ سو جاتی ہے۔"

یہ ہے اس عورت کی حقیقت جو بے پردگی کے زیر اثر "آزاد" ہو چکی ہے
اور گویا علمی' اجتماعی اور اقتصادی امور کی ایک فعال طاقت بنی بیٹھی ہے۔ اسلام
یہ نہیں چاہتا کہ عورت کی ایسی مہمل صورت ہو جائے کہ اس کا کام صرف دولت کا

ضیاع معاشرے کی تباہی اور گھریلو بنیاد کو متزلزل کرنا ہی ہو۔ اسلام کبھی اجتماعی، اقتصادی اور علمی امور میں سچی فعالیت کا مخالف نہیں رہا ہے اور تاریخ اسلام اس حقیقت پر گواہ ہے۔

آپ کو دورِ حاضر کے غیر منطقی، جدت پسند ماحول میں گاؤں کے علاوہ کہیں بھی اسلامی اصولوں کے پابند سخت متدین افراد یا ایسی عورت نہیں ملے گی کہ جس کی کارکردگی صحیح طور پر تعلیم، معاشرت یا اقتصادی امور کے حق میں مفید ہو۔

آجکل ایک طرح کے اقتصادی عمل نے رواج پایا ہے جسے ہم بے پردگی کا ثمرہ کہہ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دکاندار بجائے اس کے کہ اچھی نوعیت کا مال اپنے خریداروں کے لیے فراہم کرے ایک خوبصورت لڑکی کو سیل گرل کے طور پر ملازم رکھ لیتا ہے اور اس کی نسوانی توانائی اور سرمایہ عصمت و عفاف کو اپنے اختیار میں لے کر اسے دولت سمیٹنے اور لوگوں کی جیبیں خالی کرنے کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ایک دکاندار پر لازم ہے کہ وہ اچھا مال اپنے خریدار کے لیے فراہم کرے لیکن ایک خوبصورت "سیل گرل" اپنی اداؤں اور جنسی کشش کے بل بوتے پر خریدار کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ بہت سے لوگ جو قطعاً خریداری کے موڈ میں نہیں ہوتے صرف اس سے چند لمحے گفتگو کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ خرید لیتے ہیں۔

کیا ہم اسے اجتماعی فعالیت قرار دے سکتے ہیں؟ یہ تجارت ہے یا دھوکا بازی اور رذالت۔

کہتے ہیں عورت کو سیاہ تھیلا نہ اڑھاؤ۔

ہم نہیں کہتے کہ عورت اپنے آپ کو سیاہ تھیلے میں ڈالے، لیکن کیا اسے ایسا لباس پہننا چاہیے جس سے اس کے سینے کا ابھار ہر عام و خاص کو دکھائی دے اور وہ اپنے آپ کو اپنی اصلی صورت سے زیادہ پرکشش ظاہر کرے۔ اپنے لباس

اور مصنوعی وسائل سے استفادہ کر کے شہوت پرست لوگوں کو اپنی غیر حقیقی خوبصورتی کے جال میں پھنسائے۔ یہ نئی سے نئی تراش کے لباس کیوں بننے لگے ہیں؟ کیا اس لیے کہ عورتیں انہیں پہن کر اپنے خاوندوں کی خوشنودی حاصل کریں؟ ان اونچی ایڑی کے جوتوں کا مقصد کیا ہے؟ کیا اس لیے نہیں کہ اس کے ذریعے کولہوں کے مٹکنے کا عمل زیادہ بہتر طریقے سے لوگوں کے مشاہدہ میں آتے؟ کیا بدن کو چھلکانے والے لباس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ مردوں کے جنسی جذبے کو ابھارا جائے؟ اس قسم کے جوتے، کپڑے اور سنگھار استعمال کرنے والی عورتوں کے نزدیک ناقابلِ اعتنا صرف ان کے شوہر ہیں۔

عورت صرف عورتوں اور اپنے محارم کے درمیان ہر طرح کے لباس اور سنگھار سے آراستہ ہو سکتی ہے لیکن افسوس کہ مغربی عورتوں کی تقلید کسی اور ہی غرض وغایت سے کی جاتی ہے۔

عورت میں خود آرائی اور دوسروں کی توجہ معطوف کرنے کی خواہش بھی عجیب شے ہے اور اگر اس میں مردوں کی شہ اور معاشرے کے مصلحین کی تشویق بھی شامل ہو نیز نمونہ ساز اور درزی بھی اس میں حصہ دار ہوں تو کیا کیفیت سامنے آئے گی؟

اگر لڑکیاں اجتماعات میں سادہ لباس اور سادہ جوتے پہنیں اور پردہ کی رعایت کے ساتھ اسکول، کالج اور یونیورسٹی جائیں تو کیا ایسی صورت میں وہ بہتر طور پر تعلیم حاصل نہیں کر سکتیں؟ اصولاً ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر جنسی لذتوں اور شہوانی اغراض کا عمل دخل نہیں تو پھر اس صورت میں عورت کے باہر نکلنے پر اصرار کیوں ہے؟ آخر کیوں مخلوط تعلیم پر اس قدر زور دیا جاتا ہے؟

میں نے سنا ہے کہ پاکستان میں یہ معمول رہا ہے، معلوم نہیں اب بھی ہے یا نہیں کہ یونیورسٹی کی کلاسوں میں لڑکے اور لڑکیوں کو ایک پردہ ڈال کر علیحدہ کر دیا جاتا ہے اور صرف استاد کو یہ حق ہے کہ وہ دونوں حصوں میں آمد و رفت رکھ سکے آخر اس طرح کے طرز تعلیم میں کیا مضائقہ ہے؟

میلان و رغبت میں اضافہ

پردے پر ایک اور اعتراض جو کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان پردے کا وجود میلان و رغبت میں اضافہ کا باعث ہے اور اس بنیاد کے مطابق کہ "الانسان حریص علی ما منع منه" حرص و ہوس کی آگ کو جنسی اعمال کے بارے میں مرد و زن میں تیز تر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ خواہشات کی سرکوبی بہت سی نفسیاتی بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔

جدید نفسیاتی علوم میں خاص کر فرائڈ کے ہاں محرومیتوں اور ناکامیوں کا بہت چرچا ہے۔ وہ کہتا ہے ناکامیاں معاشرتی قیود کی پیداوار ہیں اور یہ مشورہ دیتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے خواہشات کو آزاد چھوڑا جائے تاکہ ناکامیاں اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بیماریاں ظہور پذیر نہ ہوں۔

برٹرینڈ رسل اپنی کتاب "میرے مشاہدہ کی دنیا" (فارسی ترجمہ) کے صفحہ ۶۹ اور ۷۰ پر لکھتا ہے:

"روک ٹوک کا سب سے معمولی اثر عمومی طور پر کھوج، جستجو یا ٹوہ کے احساس کی تحریک ہے اور یہ تاثیر ادبیات اور دیگر مواد میں بھی غیر مستحسن رہی ہے۔ اب ہم روک ٹوک کی اثر پذیری کے بارے میں ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ یونانی فلسفی "اپیکٹیٹس"

درخت "غار"[1] کے پتے چبانے کو بہت معیوب اور برا سمجھتا تھا۔
اس پر ہمیشہ خوف و ہراس طاری رہتا تھا کہ اس کے چبانے
سے کہیں اسے دوزخ کے اندھیروں میں بسر اوقات نہ کرنا پڑے۔
اس کے برعکس چونکہ مجھے کبھی غار کے پتے چبانے کی ممانعت نہیں
کی گئی ہے اور میں نے آج تک اس درخت کے پتے نہیں چبائے'
چونکہ "امپیڈکل" کو اس بات کی تاکید کی گئی تھی کہ وہ یہ کام
نہ کرے۔ پس اس نے ایسا ہی کیا اور غار کے پتے چبانے لگا"۔
اس کے بعد اس سوال کے جواب میں کہ کیا غیر اخلاقی موضوعات کی اشاعت
آپ کے خیال میں ان سے لوگوں کی دلچسپیوں کو نہیں بڑھاتی ؟ کہتا ہے :
"لوگوں کی دلچسپی اس سے ختم ہو جائے گی۔ اگر غیر اخلاقی مواد
کی اشاعت کو عام کر دیا جائے تو وہ ایک یا دو سال تک لوگوں
میں بڑا مقبول ہو گا لیکن اس کے بعد لوگ اس سے تھکنے

---

[1] "غار" ملک شام کا ایک عظیم تناور درخت ہے۔ اہل یونان اسے بہت محترم سمجھتے ہیں۔
اس درخت کی عمر ایک ہزار برس ہوتی ہے۔ اس کے پتے درخت بید کے مانند
ہوتے ہیں۔ اس کا مزہ تلخ تیز اور خوشبودار ہوتا ہے۔ اس میں چھوٹے سفید رنگ کے
پھول آتے ہیں۔ اس کا پھل ریٹھے کے برابر ہوتا ہے مگر چھلکا بہت نازک اور سیاہ
رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کے اندر کا گودا چرب خوشبودار اور زرد ہوتا ہے مگر پرانا ہو کر اس
کا رنگ گہرا سرخ ہو جاتا ہے۔ اس درخت کے برگ، پوست اور پھل طب میں کام
آتے ہیں۔ فارسی میں اسے دھم، دھمست اور دھمشت کہا جاتا ہے۔ اس کا انگریزی
نام "LAUREL TREE" ہے۔

لگیں گے اور بالآخر ایک منزل پر کوئی اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔"

اس اعتراض کے جواب میں عرض یہ ہے کہ یہ بات درست ہے کہ ناکامی اور خاص طور پر جنسی ناکامی ناگوار اور خطرناک بیماریوں کی حامل ہے اور فطری تقاضے کی حد تک خواہشات کی تکمیل پر پابندی لگا دینا غلط ہے لیکن معاشرتی پابندیوں کا اختتام اس مشکل کو ختم نہیں کرتا بلکہ اس میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔

جنسی اغراض و مقاصد اور بعض دیگر خواہشات کے باب میں بندش اٹھالینا حقیقی عشق کے مفہوم کو ختم کر دیتا ہے اور طبیعت کو آوارہ اور بے لگام بنا دیتا ہے۔ اس سلسلے میں جو چیز جتنی عام ہوگی اس سے مختلف چیز کی طرف طبیعت مائل ہوگی۔

"رسل" کا کہنا ہے کہ: "اخلاق سوز تصاویر کی اشاعت کو جائز قرار دیا جائے تو ایک عرصے کے بعد لوگ اس سے تھک جائیں گے اور اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔" یہ اصول ایک خاص تصویر یا ایک مخصوص انداز کی بے حیائی پر صادق آتا ہے لیکن مطلق طور پر تمام بے حیائیوں پر صادق نہیں آتا، یعنی ایک خاص قسم کی بے حیائی سے دل بھر جاتا ہے مگر اس مفہوم میں نہیں کہ اس کی جگہ "حیا و شرم" لے لے، بلکہ اس مفہوم میں کہ اس سے خواہشات کی آگ اور بھڑکتی ہے اور وہ ایک دوسرے انداز کا تقاضا کرتی ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

خود رسل "ازدواج اور اخلاق" نامی کتاب میں اعتراف کرتا ہے کہ جنسی مسائل میں نفسانی خواہش جسمانی حرارت سے مختلف شے ہے، وہ شے جو رضایت

سے تسکین پاتی ہے نفسانی خواہش نہیں جسمانی حرارت ہے۔

اس نکتہ پر توجہ ضروری ہے کہ جنسی مسائل میں آزادی شہوتوں کو حرص و ہوس کی صورت میں اور زیادہ ہوا دیتی ہے جس کی حقیقت ہمیں رومی' ایرانی اور عرب حرم سراؤں کی تاریخ سے ملتی ہے لیکن ممنوعیت اور پابندی' تغزل اور تخیل کو ایک لطیف اور بلند بشری احساس کی صورت میں ابھارتی ہے اور اسے اقبال بخشتی ہے۔ صرف یہی وہ صورت ہے جس میں فنون و فلسفہ' مقصد و منشاء بشر قرار پاتا ہے۔

لفظ عشق دو مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک حقیقی عشق جسے ابن سینا نے "پاکیزہ عشق" کہا ہے اور دوسرا عشق "آلودہ" جو ہوس اور جذبۂ تصرف سے عبارت ہے۔ یہ دونوں ہی رشتۂ نفس سے وابستہ ہیں اور دونوں کی اثر پذیری بھی ناقابل اختتام ہے مگر دونوں میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ حقیقی عشق عمیق توانائیوں کو سمیٹ کر یکجا کرنے والا اور یکتا پرست ہے جبکہ ہوس سے آلودہ عشق سطحی توانائیوں کو بکھیرنے والا' تنوع پسند اور بے قید ہوتا ہے۔

فطری خواہشات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محدود اور سطحی ہے جیسے کھانا اور سونا۔ اس قسم کی خواہشات میں جونہی غریزہ کی تکمیل اور جسمانی طلب کی سیری عمل میں آتی ہے انسان کا لگاؤ اور رغبت بھی ختم ہو جاتی ہے بلکہ ممکن ہے یہ جذبہ نفرت اور بیزاری میں بدل جائے لیکن فطری خواہش سے متعلق ایک اور ضرورت بہت گہری' دریا صفت اور ہیجان پذیر ہے جو زر پسندی اور جاہ طلبی سے عبارت ہے۔

اسی طرح جنسی میلانات کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک جسمانی حرارت اور اس کا شمار اس پہلی قسم میں ہوتا ہے جو محدود اور سطحی ہے لیکن دوسرے پہلو میں دو جنسوں کا ایک دوسرے سے قلبی اتصال ایسا نہیں ہے اور اس کی وضاحت میں ہم نیچے ایک مقایسہ پیش کرتے ہیں۔

ہر معاشرہ خوراک کے اعتبار سے ایک خاص معین مقدار کا طالب ہے یعنی اگر کوئی ملک بطور مثال ۲۰ ملین افراد پر مشتمل ہے تو اس کی خوراک کی ایک مقدار معین ہے جس سے کم پر ان کا گزارا نہیں ہو گا اور اس سے زیادہ بھی فالتو ہونے کی بنیاد پر ان کے لیے بیکار ہو گا۔ بالفرض اگر ان کے پاس گندم کی فراوانی ہو تو وہ اسے سمندر میں پھینک دیں گے۔ اگر ہم اس معاشرہ کے بارے میں ان کی سال بھر کی ضرورت کے خوردنی اجناس سے متعلق سوال کریں کہ وہ کتنی ہے تو اس کا جواب ایک معین مقدار ہو گا لیکن اگر دولت سے متعلق اس کی ضرورت کے بارے میں سوال کریں اور پوچھیں کہ کتنی رقم اس کے تمام افراد کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کافی ہو گی' جو اس طرح کافی ہو کہ اگر ہم انہیں مزید پیسہ دینا چاہیں تو وہ یہ کہیں کہ بس اب ہم سیر ہو چکے ہیں' ہمیں اس کی ضرورت نہیں رہی اور ہم اب مزید پیسہ نہیں لے سکتے ؟ تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ اس طلب کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کا کوئی تعین نہیں ہو سکتا۔

علم دوستی کی بھی یہی صورت ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے: "منھومان لا یشبعان طالب علم وطالب مال" یعنی دو بھوکے ہرگز سیر نہیں ہوتے۔ ایک طالب علم اور دوسرے طالب مال۔ جتنا ان کو دیا جائے گا اتنی ہی ان کی طلب بڑھے گی۔

جاہ طلبی کے موضوع پر بھی بشر کی یہی کیفیت ہے اور اس کی ظرفیت اس اعتبار سے بھی ناقابل تسکین ہے' ہر فرد معاشرے میں خواہ کتنا ہی اونچا مقام حاصل کرے پھر بھی اس سے اونچے مقام کی اسے طلب رہتی ہے اور بنیادی طور پر جہاں کہیں بھی جذبہ تصرف کا عمل دخل ہو وہاں اختتام پذیری کوئی مفہوم نہیں رکھتی۔

جنسی خواہش کے دو پہلو ہیں، ایک جسمانی اور دوسرا روحانی۔ جسمانی پہلو کے حدود معین ہیں۔ ایک یا دو عورتیں مرد کے جنسی جذبات کی تسکین کے لیے کافی ہیں لیکن تنوع پسندی اور ایسے مقام پر رونما ہونے والی نفسانی پیاس کی شکل دوسری ہے۔

ہم پہلے اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ اس موضوع سے متعلق روحانی کیفیات دو طرح کی ہیں جن میں سے ایک وہ عشق ہے جو فلسفیوں اور خاص طور پر الٰہی فلسفیوں کے ہاں مذکور ہے۔ کیا یہ حقیقی عشق جسم اور جنس سے وابستہ ہے یا اس کا کوئی ایسا مقصد بھی ہے جو سو فیصد روحانیت سے مربوط ہو، یا پھر وہ تیسری شق میں داخل ہوتا ہے جس کی رو سے اس کا تعلق جنس سے ہوتا ہے مگر بعد میں معنوی حالت اس پر طاری ہوتی ہے اور وہ غیر جنسی امور کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

یہ روحانی پیاس فی الحال ہمارا موضوع نہیں ہے۔ اس نوعیت کی پیاس ہمیشہ انفرادی اور شخصی پہلو رکھتی ہے۔ یعنی اس کا تعلق خاص موضوع یا خاص شخص سے ہوتا ہے اور وہ اس کے رابطہ کو اس کے غیر سے منقطع کرتا ہے۔ پیاس کی یہ نوعیت پابندیوں اور محرومیوں سے وجود میں آتی ہے۔

روحانی پیاس کی دوسری قسم یہ ہے کہ اس میں حرص و آز کی صورت پیدا ہوتی ہے جس کا تعلق جذبہ تصرف سے یا پھر یہ شہوت اور جذبہ تصرف کے دو ناقابلِ تسکین میلانات کا مجموعہ ہے اور یہ وہی کیفیت ہے جس کا وجود قدیم صاحبانِ حرم سرا اور آجکل کے بیشتر سرمایہ داروں اور غیر سرمایہ داروں میں پایا جاتا ہے۔ اس قسم کی پیاس تنوع چاہتی ہے، ایک سے دل بھر جاتا ہے تو دوسرے کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ ایک شخص دسیوں افراد اناث پر حق تصرف رکھتے ہوئے مزید

دسیوں نفوس کے درپے ہوتا ہے۔ جنسی پیاس کی یہی نوعیت ہے جو پابندیوں سے آزاد معاشرے میں پنپتی ہے اور اس کو ہوس کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ عشق بڑا عمیق، توانائیوں کو اکٹھے کرنے والا، قوت تخیل کو تقویت بخشنے والا اور یکتا پرست ہے لیکن ہوس، سطحی توانائیوں کو بکھیرنے والی، تنوع پسند اور آوارہ صفت ہے۔

پیاس یا طلب کی یہ قسم جسے ہوس کہا جاتا ہے کبھی تسکین پانے والی نہیں اگر کوئی شخص اس راستے پر چل پڑے اور ہارون الرشید اور خسرو پرویز جیسا حرم سرا اس کے پاس ہو جو پریزادیوں سے اس طرح پر ہو کہ سال میں ایک دفعہ ہر ایک کے پاس جانے کی باری نہ آئے، تب بھی اگر اس کو یہ خبر ملے کہ دنیا کے فلاں کونے میں کسی ماہ رو کا بسیرا ہے تو وہ اس کا طالب ہوگا اور یہ کبھی نہیں کہے گا کہ بس اب اسے سیری ہو چکی ہے۔ اس میں دوزخ کی خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ جتنا اسے دیتے جاؤ وہ اور زیادہ کی طلب گار ہوتی ہے۔ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (سورہ ق - آیت ۳۰)

"ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تو پر ہو چکی ہے؟ وہ جواب دے گی کیا کچھ اور نہیں ملے گا؟"

آنکھ کبھی خوبرویوں کو دیکھنے سے نہیں تھکتی اور دل بھی آنکھ کی ہمراہی کرتا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ بقول شاعر:

دل برود چشم چو مایل بود
دست نظر رشتہ کش دل بود

ایسے حالات میں کثرت اور فراوانی کے ذریعے حصولِ تسکین اور سیری کسی طرح بھی ممکن نہیں اور اگر کوئی اس راہ سے وارد ہونا چاہتا ہے تو وہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی لکڑی کے ذریعے آگ کی شکم سیری کرے۔

کلی طور پر خواہشات' انسانی فطرت کا ایک حصہ ہیں اور ان پر کوئی پابندی عاید نہیں ہو سکتی۔ انسان فطرتاً "بہت کچھ" کا طالب بن کر خلق ہوا ہے اور جب یہ روحانی طلب مادیات کا راستا اختیار کرے تو پھر اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اور ہر مرحلہ پہ پہنچ کر دوسرے مرحلہ کی طلب اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔

وہ لوگ جو نفس امارہ اور شہوانی احساسات کی طغیانی کو صرف محرومیوں اور اس سے وجود میں آنے والی الجھنوں کی پیداوار سمجھتے ہیں سخت غلطی پر ہیں۔ جس طرح محرومیاں شہوتوں کی سرکشی اور طغیانی کا سبب بنتی ہیں اسی طرح پیروی' اطاعت اور تسلیم مطلق بھی شہوات کی سرکشی اور طغیانی کا سبب ہوتی ہے۔ انہوں نے فرائیڈ[1] کی طرح سکہ کے ایک رخ کو دیکھا ہے اور دوسری طرف نظر نہیں کی ہے۔

ہمارے ناصحین اور عارفین نے مکمل طور پر اس نکتہ کو سمجھا ہے اور فارسی اور عربی ادبیات میں کثرت سے اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ سعدی کہتے ہیں:

فرشتہ خوی شود آدمی زکم خوردن	وگر خورد چو بہائم بیفتد او چو جماد
مراد ہر کہ برآری مطیع امر تو گشت	خلاف نفس کہ فرمان دہد چو یافت مراد

---

[1] سیگمنڈ فرائیڈ ایک مشہور عالم آسٹرین ماہرِ نفسیات ہے جو ۱۸۵۶ عیسوی میں فرنیکفرٹ میں پیدا ہوا اور ۱۹۳۹ عیسوی میں گلے کے سرطان میں مبتلا ہو کر لندن کی سرزمین پر چل بسا۔

بوصیری مصری نے اپنے مشہور قصیدہ "بردہ" میں جسے اسلامی ادبیات کا شاہکار سمجھا جاتا ہے اور جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں لکھا گیا ہے اور نیز پند و نصائح سے بھی مالا مال ہے، کہتا ہے:

النفس کالطفل ان تهمله شب علی حب الرضاع وان تفطمه ینفطم

یعنی نفس ایک طفل کی مانند ہے جسے ماں کے دودھ سے رغبت ہے۔ اگر اسے اسی طرح اپنے حال پر باقی رکھا جائے تو وہ اپنی اسی رغبت پر قائم رہے گا اور روز بروز اس میں راسخ ہوگا اور اگر اسے دودھ سے روکا جائے تو وہ ترک پستان کا خوگر ہو جائے گا۔

ایک اور صاحب نظر کہتا ہے:

النفس راغبة اذا رغبتها واذا ترد الی قلیل تقنع

یعنی جس قدر نفس کی رغبت کے اسباب فراہم کروگے وہ تمہاری رغبت میں اضافہ کرتا رہے گا لیکن اگر تم اسے کم کرنے کی عادت ڈالوگے تو وہ قناعت اختیار کرے گا۔

فرائیڈ اور اس جیسے دوسرے افراد کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ غرائز کی تسکین کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ جتنی ہو سکے انہیں غذا فراہم کی جائے۔ انہوں نے فقط پابندیوں اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے غلط اثرات پر توجہ دی اور پابندی و ممنوعیت کو خواہشات کی سرکشی اور بغاوت کا سبب جانا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ خواہشات کی تکمیل کے لیے انہیں مطلق آزادی دینی چاہیے، وہ بھی اس مفہوم میں کہ عورت کو ہر طرح کی جلوہ گری اور مرد کو اس سے ہر قسم کے تعلقات کی اجازت ہونی چاہیے۔

انہوں نے موضوع کا صرف ایک رخ دیکھا ہے اور اس بات پر دھیان نہیں

دیا ہے کہ جس طرح پابندیاں اور ممانعت خواہشات کو دبا کر نفسیاتی الجھنیں پیدا کرتی ہیں، اسی طرح اپنے آپ کو خواہشات کے حوالے کرنا اور تحریکات اور ہیجانات کے سمندر میں ڈوب جانا بھی انسان کو دیوانہ بنا دیتا ہے اور چونکہ ہر فرد کی ہر خواہش کی تکمیل ناممکن ہے۔ لہٰذا غریزہ یا خواہش اور زیادہ دباؤ میں آتا ہے اور نفسیاتی الجھن وجود پذیر ہوتی ہے۔

ہمارے خیال میں خواہش کی تکمیل کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک فطری ضرورت کے مطابق خواہش کی تکمیل اور دوسرے اس کی تحریک و تہییج کی راہ روکنا۔

انسان فطری حاجتوں کے اعتبار سے تیل کے کنوئیں کے مانند ہے جس میں اندرونی گیسوں کا اکٹھ اس کے پھٹ پڑنے کا خطرہ پیدا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کی گیس کو خارج کر کے اسے جلا دینا چاہیے لیکن اس عمل کو اعتدال کے ساتھ انجام دینے کی ضرورت ہے۔

جب معاشرہ کان، آنکھ اور ہاتھ کی آزادی سے خواہشات میں طوفان کے اسباب فراہم کرے اور پھر تسکین دینے والے عمل کے ذریعے اس بے قید جذبہ کو سکون بخشنا چاہے تو یہ بات ناقابلِ اثر ہو گی۔ ہرگز اس طریقے سے سکون اور تسکین میسر نہیں آسکتی بلکہ حالات اس کے برعکس ہوں گے اور تلاطم و اضطراب میں اضافہ ہوگا اور خواہش کی نارسائی نفسانی عوارض کو جنم دے گی جس کے نتیجے میں جرائم فروغ پائیں گے۔

جنسی خواہشات کی بے حساب تحریک اور نہ تھمنے والا تلاطم تیز تر جوانیوں اور زود رس بڑھاپے جیسے امراض کو اپنے وجود میں سموئے ہوئے ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے عرفاء اور نکتہ سنج حضرات جو یہ کہتے ہیں:

مراد ہر کہ بر آری مطیع امر تو گشت   خلاف نفس کہ فرمان دہد چو یافت مراد

وہ اپنی عارفانہ روشن ضمیری کے ساتھ ان نکات تک پہنچ گئے تھے جن تک آج بھی ہمارے موجودہ دور کے وہ ماہرین نفسیات نہ پہنچ سکے جن کا تمام دنیا میں چرچا ہے۔

لیکن یہ جو کہا جاتا ہے "الانسان حریص علی ما منع منہ" صحت پر مبنی مفہوم ہے لیکن اس کی توضیح ضروری ہے۔ انسان اس چیز کی طرف حریص ہوتا ہے جس سے اسے روکا بھی جائے اور تحریک و اشتیاق بھی دلایا جائے جیسے کسی شخص میں کسی شے کی تمنا پیدا کی جائے اور پھر اس سے اسے روکا جائے لیکن اگر کسی شے کو سامنے نہ لایا جائے یا بہت کم دیکھنے میں آئے تو اس کی طرف رغبت و چاہت کا عنصر بھی اسی نسبت سے کم ہوتا جائے گا۔

فرائیڈ جو بڑی شدت سے جنسی آزادی کا حامی تھا بعد میں اس بات کی طرف متوجہ ہوا کہ جنسی آزادی کو عام کرنے میں اس سے سخت غلطی سرزد ہوئی ہے۔ چنانچہ اس نے حالات کا رخ موڑنا چاہا۔ اس کی متعین کردہ دوسری یہ راہ تھی کہ لوگ اپنی توجہ ہٹانے کے لیے نقاشی اور اس جیسے دیگر علمی اور فنی مشغلے اختیار کریں گویا کہ وہ نظریہ تصعید (بلند ہونے) کا حامل بن گیا یعنی جنسی آزادی کی اخلاقی پستی سے نکلنے میں کوشاں ہوا کیونکہ تجربہ نے یہ بات بتادی تھی کہ پابندیاں اٹھا لینے سے معاشرے میں جنسی خواہشات سے متعلق نفسیاتی عوارض کی بہتات ہو جاتی ہے۔

گزشتہ دور میں نافہم افراد ان طالب علموں سے کہتے تھے "جو ان سے بھی بڑھ کر نادان تھے کہ یعنی غیر فطری فعل فقط مشرقی لوگوں میں رائج ہے کیونکہ وہاں پردے اور دیگر پابندیوں نے مردوں کے لیے عورت سے قرب کو مشکل بنا دیا ہے لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب یہ معلوم ہوا کہ اس عمل قبیح کا رواج مغرب والوں میں مشرقی لوگوں سے سو فیصد زیادہ ہے۔

ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ عورت تک رسائی نہ ہونا جنسی بے راہ روی کا باعث ہے اور قانونی ازدواج کے شرائط کو زیادہ سہل ہونا چاہیے لیکن بلاشبہ جس قدر معاشرے میں عورت کی خود نمائی اور آزاد اجتماعی تعلقات جنسی بے راہ روی کا باعث ہوتے ہیں، محرومیت اور نارسائی اس کی پاسنگ بھی نہیں۔

اگر مشرقی دنیا میں محرومیتیں، جنسی بے راہ روی کا سبب ہیں تو یورپ میں شہوت پرستی کی کثرت اس انحراف کا سبب ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ بعض ممالک نے صحبتِ ہم جنس کو قانونی حیثیت دیدی اور کہا گیا: چونکہ انگلستان کی آبادی نے عملاً اس فعل کو قبول کر لیا ہے اس لیے قانون ساز ادارہ کو چاہیے کہ وہ قوم کی پیروی کرے۔ یعنی ایک طرح کا جبری ریفرنڈم عمل میں آیا ہے۔ اس سے بڑھ کر میں نے کسی رسالے میں پڑھا ہے کہ بعض یورپی ممالک میں لڑکے قانونی طور پر آپس میں نکاح کرتے ہیں۔

مشرقی دنیا میں بھی محروم افراد اس قدر جنسی بے راہ روی کا شکار نہیں تھے جس قدر صاحبان حرم سرا، وہ بھی اعراب، اس جنسی بے راہ روی کا طرہ امتیاز سلاطین کے سر ہے۔

پانچواں باب

اسلامی پردہ

ہم اس بحث کا آغاز قرآن مجید سے کرتے ہیں۔ قرآن کی دو سورتوں میں اس موضوع سے متعلق آیتیں وارد ہوئی ہیں جن میں سے ایک سورۂ نور ہے اور دوسری احزاب، ہم ان آیتوں کی تفسیر بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد فقہی مسائل، روایات اور فقہا کے فتووں پر گفتگو ہوگی۔ سورۂ نور میں اس موضوع سے متعلق جو آیت ہے اس کا نشان ۳۱ ہے۔ اس سے قبل کی چند آیتیں گھروں میں داخل ہونے سے پہلے طلب اذن سے متعلق ہیں جو مطلوبہ آیت کے باب میں تمہید یا سرآغاز کا حکم رکھتی ہیں لہٰذا ہم آیتوں کی تفسیر اسی مقام سے فروع کرتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۔ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا

تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا
فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۔
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ
فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۔
قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا
فُرُوْجَهُمْ ۚ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ
بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِ
هِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ
اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى
جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ
اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ
بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ
اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ ا
لتّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ
الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ
بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا
اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ ؎

"اے صاحبانِ ایمان! کسی کے گھر میں اطلاع دیے بغیر داخل نہ ہونا
اور جب داخل ہونا ہو تو گھر والوں کو سلام کرنا۔ یہی طریقہ تمہارے
لیے بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت پاؤ۔ پھر اگر تم ان میں سے کسی کو نہ پاؤ تو

؎ سورۂ نور۔ آیات ۲۷ تا ۳۱

جب تک تم کو اجازت نہ ملے گھر میں داخل نہ ہونا اور اگر تمہیں جانے کے لیے کہا جائے تو تم واپس لوٹ جانا یہی تمہارے لیے بہتر ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ البتہ ایسے گھروں میں جانے سے تم پر کوئی الزام عاید نہیں ہوتا جو غیر مسکونی ہیں اور اس میں تمہارا کچھ فائدہ بھی ہے۔ خدا تمہارے ہر اس عمل سے واقف ہے جسے تم ظاہر بظاہر یا چوری چھپے کرتے ہو۔

(اے رسولؐ!) صاحبانِ ایمان سے کہو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ اس میں ان کی بھلائی ہے اور خدا ہر اس عمل سے واقف ہے جسے وہ انجام دیتے رہتے ہیں۔

(اے رسولؐ!) مومن عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگھار کو سوائے اس کے کہ جو خود بخود ظاہر ہو جائے، ظاہر نہ کریں۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اپنی اوڑھنیوں کا اپنے گریبانوں پر بکل مارے رہیں اور اپنا بناؤ سنگھار سوائے اپنے شوہروں یا باپ داداؤں یا شوہروں کے باپ داداؤں یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنی عورتوں یا لونڈی غلاموں یا طفیلی مردوں کہ جنہیں عورتوں کی حاجت نہیں یا وہ بچے جو ابھی عورت کے راز سے واقف نہیں، کسی پر ظاہر نہ کریں۔ اور اس طرح زمین پر پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کے چھپے ہوئے زیورات ظاہر ہو جائیں، اور اے مومنو! تم سب کے سب اللہ کے حضور

توبہ کرو تاکہ تمہیں اللہ کے حضور فلاح و رستگاری حاصل ہو۔"

پہلی اور دوسری آیت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ مومنوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اچانک بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل ہوں۔ تیسری آیت میں غیر مسکونی مکانات اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد کی دو آیتیں عورت اور مرد کی ان ذمہ داریوں کو ظاہر کرتی ہیں جو ان کی ایک دوسرے کے ساتھ طرز بود و باش سے متعلق ہیں اور یہ چند حصوں پر مشتمل ہے:

۱۔ ہر مسلمان مرد اور عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھے اور نظریں لڑانے سے اجتناب کرے۔

۲۔ ہر مسلمان مرد اور عورت کو چاہیے کہ وہ پاکدامن ہو اور اپنی شرمگاہ کو دوسروں سے چھپائے رکھے۔

۳۔ عورتوں کے لیے ستر پوشی لازم ہے انہیں چاہیے کہ وہ اپنے بناؤ سنگھار کو غیروں پر ظاہر نہ ہونے دیں اور مردوں کی تحریک اور دلچسپی کا سبب نہ بنیں۔

۴۔ عورت کے پردے کے متعلق دو استثناؤں کا تذکرہ ہوا ہے۔ ان میں سے ایک ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ہے جو عام مردوں سے متعلق ہے اور دوسرا ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن ...... الخ (سورۂ نور۔ آیت ۳۱) ہے اور یہ خاص افراد کے لیے عورت کے پردے کو مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔

ہم ترتیب کے ساتھ ان آیتوں کے مفاہیم کو زیر بحث لائیں گے۔

استیذان

احکام اسلام کی رو سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ پیشگی اطلاع یا اجازت

کے بغیر کسی کے گھر داخل ہو۔

عرب کے اس معاشرے میں جہاں قرآن نازل ہوا یہ معمول نہیں تھا کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرے۔ تمام گھروں کے دروازے کھلے تھے جیسا کہ آج بھی دیہاتوں میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے۔ رات ہو کہ دن یہ رواج کبھی نہیں رہا کہ لوگ اپنے گھروں کے دروازے بند رکھیں کیونکہ دروازے چوروں کے خوف سے بند کیے جاتے ہیں اور وہاں ایسا کوئی خوف نہیں تھا۔ سب سے پہلے جس نے دو پٹ والے دروازوں کا حکم دیا وہ معاویہ تھا اور اس نے حکم دیا تھا کہ دروازے بند رکھے جائیں۔

بہرحال چونکہ گھروں کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے اور عربوں میں اجازت طلب کرنے کا رواج بھی نہیں تھا بلکہ طلب اجازت کو وہ اپنی توہین سمجھتے تھے اور بغیر پیشگی اطلاع یا اجازت کے ایک دوسرے کے گھروں میں داخل ہوتے تھے۔

اسلام نے اس غلط رواج کو ختم کیا اور حکم دیا کہ بغیر اطلاع کے کوئی کسی گھر میں داخل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس حکم میں دو طرح کے فلسفے کا دخل ہے: ایک ناموس یعنی عورت کے پردے کا مسئلہ اور اسی لیے یہ حکم پردے کی آیتوں کے ساتھ ایک ہی مقام پر لایا گیا ہے اور دوسرے ہر شخص اپنے محل سکونت میں کچھ اسرار و رموز رکھتا ہے اور نہیں چاہتا کہ دوسروں کو اس کا علم ہو۔ یہاں تک کہ دو جگری دوستوں کو بھی اس نکتہ کا خیال رکھنا چاہیے کیونکہ ممکن ہے دو گہرے دوست پوری یگانگت کے باوجود اپنی خصوصی زندگی سے متعلق بعض رموز کو ایک دوسرے سے پوشیدہ رکھنا چاہیں۔

اس بنا پر یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ استیذان یا طلب اذن کا حکم صرف ان

گھروں پر لاگو ہوتا ہے جن میں عورتیں ہوتی ہیں۔ یہ حکم مطلق اور عام ہے۔ وہ مرد اور عورتیں جن کا ایک دوسرے سے پردہ ضروری نہیں، ممکن ہے اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوں کہ کسی دوسرے کا انہیں دیکھنا ان کے لیے گراں ہو۔ بہر صورت یہ ایک کلی امر ہے اور اس کا فلسفہ بھی پردے کے فلسفے سے زیادہ کلیت رکھتا ہے۔

سورۂ نور کی آیت ۲۷
کی تشریحات

"حتیٰ تستانسو" کا جملہ جو اس مفہوم میں ہے کہ جب تک اعلان نہ کرو داخل نہ ہو، اچانک داخل ہونے کے عیب کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ لفظ "انس" کے مادہ سے ماخوذ ہے جو خوف و ہراس کی ضد ہے۔ یہ لفظ سمجھاتا ہے کہ ایک پرائے گھر میں آپ کا داخلہ اطلاع اور جلب اُنس کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اچانک اور بغیر اطلاع کے داخلہ خوف و ہراس اور ناراضگی کا باعث ہوتا ہے۔

ایسی روایتیں وارد ہوئی ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ "سبحان اللہ" یا "اللہ اکبر" وغیرہ جیسے کلمات دہرا کر اپنے آنے کی اطلاع دی جائے۔ ہمارے یہاں (ایران میں) "یا اللہ" کہنے کی رسم ہے اور یہ اسی حکم کی پیروی میں ہے جسے قرآن نے عاید کیا ہے۔

رسول خدا سے پوچھا گیا کہ کیا یہ طلب اذن کا حکم خود اپنے کنبے اور قریبی رشتہ داروں پر بھی لاگو ہوتا ہے؟ کیا ہمیں اپنی ماں یا بیٹی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے بھی اجازت درکار ہوگی؟ جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری ماں اپنے کمرے میں برہنہ ہو اور تم بے خبر داخل ہو جاؤ تو کیا یہ امر پسندیدہ ہوگا؟

عرض کیا گیا نہیں۔ آپ نے فرمایا: پس اجازت طلب کرو۔

رسول اکرمؐ بنفس نفیس اس دستور پر عمل کرتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔ شیعہ اور سنی علماء نے اس بات کو نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ گھر کے دروازے پر کھڑے ہوتے اور فرماتے: "السلام علیکم یا اہل البیت" اگر داخلے کی اجازت مل جاتی تو آپ داخل ہو جاتے اور اگر جواب نہیں آتا تو آپ اپنے سلام کی تکرار فرماتے کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص پہلی اور دوسری دفعہ آواز نہ سن سکے لیکن اگر تیسری دفعہ بھی جواب نہ ملتا تو آپ لوٹ جایا کرتے تھے اور فرماتے تھے یا گھر میں کوئی نہیں ہے یا وہ نہیں چاہتے کہ ہم اس وقت ان کے گھر میں داخل ہوں۔ اس دستور پر آپ اپنی جگر گوشہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کے بارے میں بھی عمل فرماتے تھے۔

یہاں اس آیت کے ضمن میں ایک اہم نکتہ کا تذکرہ بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ لفظ "بیوت" جو "بیت" کی جمع ہے کمرے کے مفہوم میں آتا ہے۔ عربی زبان میں گھر کے مفہوم میں جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ "دار" ہے البتہ خراسان کی طرح ایران کے بعض حصوں میں گھر کے لیے کمرہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بہرحال بیوت کمروں کو کہتے ہیں اور یہاں سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ استیذان کمروں میں داخل ہونے کے لیے ہے نہ گھروں کے آنگن میں داخلے کے لیے۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ عربوں میں چونکہ ان کے گھروں کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے اس لیے گھروں کے صحنوں کو خصوصی اہمیت حاصل نہیں تھی اور اگر کوئی اپنے گھر میں بالفرض لباس سے عاری رہنا چاہتا تھا تو اس کی جگہ کمرہ ہی تھی۔ لیکن جہاں صحن بھی کمرہ کی صورت اختیار کر لے جیسا کہ ہمارے یہاں (ایران میں) رسم ہے کہ دروازے بند ہیں، دیواریں اونچی اٹھائی گئی ہیں، اگرچہ ہم اسے کمرہ جیسی

پناہ گاہ اور مکمل خلوت کی جگہ تو نہیں کہہ سکتے تاہم کسی حد تک خصوصی پہلو کا حامل ہے اور ایسے مقامات کے لیے بھی استیذان یا طلب اذن حکم وجوب کی صورت رکھتا ہے۔

آیت کے اختتام پر ارشاد ہوتا ہے: "ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون" یعنی یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ گویا ہم نے جو حکم جاری کیا ہے وہ بے دلیل نہیں ہے۔ اس کا ایک فلسفہ ہے۔ اس میں تمہارے لیے مصلحت پوشیدہ ہے شاید کہ تم اس بارے میں سوچو اور اس کی مصلحت دریافت کرو۔

سورۂ نور کی آیت ۲۸ کی تشریحات

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: اپنے آنے کی اطلاع اور طلب اجازت کے بعد جب یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی گھر میں موجود نہیں ہے تو اس گھر میں داخل نہ ہونا۔ مگر یہ کہ تمہیں اس بات کی اجازت دے دی گئی ہو، مثلاً گھر کا مالک گھر کی چابی تمہیں دے جائے یا خود موجود ہو اور تمہیں اجازت دے۔

اور پھر ارشاد ہوتا ہے: "و ان قیل لکم ارجعوا فارجعوا" اگر گھر والا تمہیں واپس لوٹ جانے کے لیے کہے اور اندر آنے کی اجازت نہ دے تو واپس لوٹ جاؤ اور برا محسوس نہ کرو۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اہل عرب طلب اجازت کو اپنے لیے باعث ننگ سمجھتے تھے۔ یہ ان کی ایک نادانی تھی۔ آج ہمارے معاشرے کی بھی یہی کیفیت ہے کہ آنے والے کو اجازت نہ دینا خواہ وہ کسی معقول عذر ہی کی بنا پر کیوں نہ ہو

اس کی توہین سمجھی جاتی ہے اور یہ ہماری نادانی ہے۔ اگر کوئی کسی کے گھر جائے اور گھر والا یہ کہے کہ ابھی میرے پاس ملاقات کے لیے وقت نہیں ہے تو یہ بات اس پر گراں گزرتی ہے اور اسے غصہ آجاتا ہے۔ اب وہ جہاں جائے گا یہ کہے گا کہ میں فلاں کے گھر گیا تھا مگر اس نے بداخلاقی کا مظاہرہ کیا اور مجھے گھر میں آنے نہ دیا۔ یہ بھی ایک نادانی اور جہالت ہے۔

ہمیں قرآنی حکم پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ احکامات قرآن کی پیروی ہمیں بہت سی تکلیفوں اور رنجشوں سے نجات دلاتی ہے۔ جھوٹ اور غلط بیانیوں کا ایک سلسلہ اس کج رفتاری اور بے جا توقعات کی پیداوار ہے جو ہم میں رواج پا گیا ہے۔

کوئی شخص پیشگی اطلاع کے بغیر کسی کے گھر جاتا ہے۔ گھر والا اس سے اس وقت نہیں ملنا چاہتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی ضروری کام میں الجھا ہوتا ہے اور اس وقت کی ملاقات اس کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہے اس لیے وہ کہلوا دیتا ہے کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ تاہم آنے والے کو اس جھوٹ کا علم ہو جاتا ہے مگر وہ غلطی پر ہوتا ہے کیونکہ وہ پہلے سے وقت کا تعین کیے بغیر اس سے ملنے آتا ہے۔ ادھر گھر والے کو بھی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس سے معذرت چاہے اور کہے کہ اس وقت ملاقات کے لیے اس کے پاس وقت نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کر بھی لے تو آنے والے میں اتنا فہم و شعور نہیں ہوتا کہ وہ اس کی معذرت کو قبول کر لے۔ اس کی بجائے وہ ساری عمر گلہ کرتا رہے گا کہ فلاں شخص کے گھر گیا لیکن اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ ایسے مواقع پر جھوٹ بولا جاتا ہے تاکہ ملاقاتی سے کوئی رنجش پیدا نہ ہو لیکن اگر قرآنی دستور کی رعایت کی جائے تو نہ جھوٹ بولا جائے گا اور نہ ہی رنجش ہوگی۔ لہٰذا ارشاد ہوتا ہے: "ھو ازکیٰ لکم" یعنی یہی بتایا ہوا طریقہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

"واللہ بما تعملون علیم" یعنی جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ یہاں مجھے مرحوم آیت اللہ بروجردی سے متعلق ایک واقعہ یاد آتا ہے جسے میں نقل کرتا ہوں۔

جن دنوں میں قم میں تھا، ایران کے مشہور خطیبوں میں سے ایک خطیب قم تشریف لائے اور اتفاقاً میرا کمرہ مستقل طور پر دونوں بزرگوں کی ملاقات کی جگہ قرار پایا۔ یہیں ان سے بات چیت ہوا کرتی تھی۔ اسی دوران ایک دن کوئی شخص ایک نامناسب وقت میں انہیں جناب آیت اللہ بروجردی مرحوم کے مکان پر لے گیا۔ وہ وقت آپ کے مطالعہ کا تھا اور آپ اس موقع پر کسی سے ملاقات نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ نے نوکر سے کہلوا بھیجا کہ یہ وقت میرے مطالعہ کا ہے کسی اور وقت تشریف لائیں۔ وہ خطیب واپس آگئے اور اتفاقاً اسی روز اپنے شہر کو لوٹ گئے۔ اس روز جب جناب آیت اللہ بروجردی درس کے لیے تشریف لائے اور مجھے صحن میں بیٹھا دیکھا تو فرمایا: میں درس کے بعد فلاں شخص کو دیکھنے تمہارے کمرے میں آؤں گا۔ میں نے عرض کیا وہ تو چلے گئے۔ فرمایا: "جب کبھی انہیں دیکھو تو ان سے کہنا: جس وقت آپ میری ملاقات کو آئے تھے میری کیفیت وہی تھی جو تمہاری تقریر سے پہلے تیاری کے وقت ہوا کرتی ہے۔ میں یہ چاہتا تھا کہ جب ہم ایک دوسرے سے ملیں تو یکسوئی سے گفتگو کر سکیں۔ اس وقت میں مطالعہ میں مصروف تھا کیونکہ مجھے درس کے لیے تیار ہو کر آنا تھا۔"

ایک مدت کے بعد میں اس خطیب سے ملا اور جناب آیت اللہ بروجردی کی معذرت پیش کی۔ میں نے سنا تھا کہ بعض افراد نے اس کے دل میں شکوک پیدا کر دیے تھے کہ یہ تمہاری توہین کے لیے ایک سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ اس طرح

تمہیں گھر کے دروازے سے لوٹا دیا جائے۔ میں نے اس محترم خطیب سے کہا: جناب آیت اللہ بروجردی صاحب آپ سے ملنے آنا چاہتے تھے مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ آپ جا چکے ہیں تو بہت معذرت خواہ ہوئے۔

اس شخص نے ایک جملہ کہا جو میرے لیے بہت دلچسپ تھا۔ اس نے کہا: نہ صرف یہ کہ میں نے ذرا برابر اس بات کو محسوس نہیں کیا بلکہ اس سے بہت خوش ہوا کیونکہ ہم اہل یورپ کی تعریف کرتے ہیں کہ وہ بہت کھرے اور بے لاگ ہیں اور بے جا لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ میں نے تو ان سے وقت نہیں لیا تھا بلکہ غفلت کے سبب سے نامناسب وقت پر ان کے ہاں گیا تھا۔ مجھے تو اس مرد خدا کی صراحت اچھی لگی کہ اس نے صاف طور سے کہہ دیا کہ اس وقت میں مصروف ہوں۔ کیا یہ بات اچھی ہوتی کہ وہ بے چینی کے عالم میں مجھ سے ملتے؟ ان کا دل اندر ہی اندر سے کڑھتا اور وہ جی ہی جی میں کہتے، نہ معلوم یہ کونسی بلا مجھ پر نازل ہو گئی ہے جس نے میرا وقت بھی خراب کیا اور روس بھی۔ مجھے تو اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ انہوں نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ مجھے لوٹا دیا۔ مسلمانوں کے مجمع کے لیے ایسی صاف گوئی کتنی قابل ستائش بات ہے۔

سورہ نور کی آیت ۲۹ کی تشریحات

اب ہم پھر آیتوں کی تفسیر کی طرف آتے ہیں، بعد کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا غیر مسکونة فیها متاع لکم" اس آیت میں استثناء کیا گیا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ

طلب اذن کا جو حکم تمہیں دیا گیا ہے وہ صرف ان رہائشی مکانات کے لیے ہے جن میں کوئی رہتا ہے اور وہ خلوت گاہ کا پہلو رکھتے ہیں۔ وگرنہ جہاں عام طور پر آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہو یہ حکم اس پر لاگو نہیں ہوتا، خواہ وہ مکان کسی اور کا ہی کیوں نہ ہو۔

مثلاً اگر آپ کو کسی گزرگاہ (PASSAGE) یا کسی کمپنی یا دکان میں کوئی کام ہے تو ضروری نہیں کہ آپ چوکھٹ پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہیں۔ اسی طرح وہ عام حمام ہے کہ جس کا دروازہ کھلا ہو۔ ان موارد میں طلب اذن ضروری نہیں ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ آپ کسی کام کے تحت غیر آباد مکانوں میں بغیر اجازت داخل ہوں۔

"فیھا متاع لکم" کی قید ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ اس طرح کے مکانوں میں انسان کا داخلہ صرف اس صورت میں روا ہے کہ جب اسے وہاں کوئی کام ہو وگرنہ مالکان مکان کے لیے تکلیف کا باعث نہیں بننا چاہیے۔

"واللہ یعلم ما تبدون وما تکتمون" یعنی خدا تمہارے ظاہر و باطن کو بخوبی جانتا ہے اور تمہاری نیتوں سے باخبر ہے کہ تم کس ارادے سے کس کے گھر میں داخل ہوئے۔

سورۂ نور کی آیت ۳۰ کی تشریحات

اور پھر ارشاد ہوتا ہے: "قل للمومنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم۔۔۔۔" یعنی (اے رسولؐ) کہہ دو ان مومنوں سے

کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں....

"عین" اور "بصر"

اس آیت میں لفظ "ابصار" استعمال ہوا ہے جو "بصر" کی جمع ہے۔ "بصر" اور لفظ "عین" میں فرق پایا جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے اردو میں "نگاہ" اور "آنکھ" میں فرق ہے۔ عین جو اردو میں آنکھ ہے، ایک خاص عضو کا نام ہے لیکن کارکردگی کی صفت جو دیکھنے سے متعلق ہے اس میں شامل نہیں لیکن "بصر" جو اردو میں "نگاہ" سے عبارت ہے اس اعتبار سے آنکھ ہے کہ اسے دیکھنے کا مخصوص عمل (ابصار) انجام پاتا ہے۔

جب کوئی شاعر اپنے محبوب کی آنکھوں کے تناسب اور خوبصورتی کی تعریف کرنا چاہتا ہے اور دیکھنے کے عمل پر توجہ نہیں دیتا تو آنکھ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ "نگاہ" اس مقام پر استعمال نہیں ہوتا کیونکہ یہاں آنکھ کی درشتی اس کی سیاہی اور خمار آلودگی پیش نظر ہے۔

لیکن جب دیکھنے کا عمل پیش نگاہ ہو تو لفظ "نگاہ" استعمال ہوتا ہے۔ زیر بحث آیت میں چونکہ دیکھنے کا عمل پیش نظر ہے اس لیے لفظ "عیون" نہیں بلکہ لفظ "ابصار" استعمال ہوا ہے۔

غض اور غمض

اس آیت میں دوسرا لفظ "یغضوا" استعمال ہوا ہے جس کا مادہ "غض" ہے۔ غض اور غمض دو لفظ ہیں جو آنکھ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ بعض افراد ان دونوں کے مفہوم میں اشتباہ کر جاتے ہیں۔ پہلے ہمیں ان دونوں کے

معانی کو سطے کرنا چاہیے۔ پلکوں کو ایک دوسرے پر سلا دینا "غمض" ہے اور غمض کرنا کنایہ ہے۔ بصرف نظر کرنے سے۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ لفظ غمض عین کے ساتھ ہے "بصر" کے ساتھ نہیں۔

لیکن "غض" کے بارے میں کہا جاتا ہے غض بصر یا غض نظر یا غض طرف، غض کے معنے کم یا دھیرے کرنے کے ہیں اور غمض بصر سے مراد نگاہ کو محدود کرنا ہے۔ سورۂ لقمان کی انیسویں آیت میں قرآن مجید حضرت لقمان کی اپنے فرزند کو نصیحت کے بیان میں ارشاد فرماتا ہے "واغضض من صوتک" یعنی اپنی آواز کو مدھم رکھو اور چیخ کر نہ بولو۔ سورۂ حجرات کی تیسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی۔" یعنی وہ لوگ (جو بات کرتے وقت) اپنی آواز کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دھیمی اور ملائم کرتے ہیں ان لوگوں میں سے ہیں جن کے قلوب کو خداوند عالم نے تقویٰ کے لیے آزما لیا ہے۔

ہند بن ابی ہالہ کی وہ مشہور حدیث جس میں انھوں نے رسولؐ خدا کی توصیف کی ہے، یوں وارد ہوا ہے: "واذا فرح غض طرفه[1]۔" یعنی جب آپ خوش ہوتے تھے تو اپنی آنکھوں کو نیم خوابیدہ کیفیت میں لے آتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس سے آنکھیں بند کر لینا یا سامنے نہ دیکھنا مراد نہیں ہے۔

مرحوم مجلسی اعلی اللہ مقامہٗ اس جملے کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں: "ای کسرہ اطرق ولم یفتحہ عنہ وانما یفعل ذالک لیکون البعد من الاشر والمرح۔"

۱۔ تفسیر صافی سورۂ نور کی ۳۱ ویں آیت کے ذیل میں نقل از تفسیر علی بن ابراہیم۔

یعنی اپنی پلکیں جھکائے سر نیچے ڈال کر اپنی آنکھیں بند کر لیتے تھے۔ وہ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ فرطِ مسرت سے برکنار رہیں۔ عام طور پر جذبات سے مغلوب افراد جب خوشی کے عالم میں ہوتے ہیں تو شائستہ اور باوقار افراد کے برخلاف بے اختیار آنکھیں پھاڑ کر قہقہہ لگاتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے جنگ جمل میں اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کو پرچم دیتے ہوئے فرمایا تھا: "پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں مگر تم اپنی جگہ جمے رہنا۔ اپنے دانتوں کو مضبوطی سے بھینچ لو (تاکہ تمہارے غیض وغضب میں حرکت پیدا ہو) اپنے سر کو عاریۃً اللہ کے حوالے کرو اور قدموں کو مضبوطی سے زمین پر جما دو۔"

اس کے بعد آخر میں آپؑ فرماتے ہیں: "ارم ببصرک اقصٰی القوم و غض بصرک[1]" دشمن کی آخری صف پر نظر جمائے رکھو اور آنکھیں موند لو۔ ظاہر ہے کہ یہاں مفہوم آنکھیں بند کر لینا یا دیکھنا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تمہاری آنکھیں کسی خاص شے بالخصوص دشمن کے جنگی ساز و سامان پر نہ جم جائیں۔

اسی طرح آپ جنگوں میں اپنے اصحاب کو دیے جانے والے عمومی دستور العمل میں ارشاد فرماتے ہیں: "غضوا الابصار فانہ اربط للجاش و اسکن للقلوب و امیتو الاصوات فانہ اطرد للفشل۔" دشمن کے جنگی ساز و سامان پر اپنی نگاہیں کم رکھو کہ ایسا کرنے سے تمہارے دل محکم اور آسودہ رہیں گے۔ آوازوں کو خاموش کر دو (ہنگامہ آرائی نہ کرو) کیونکہ متانت و سکون ہر چیز کے خوف کو دور کر دیتی ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۱۔ اور "وسائل" جلد ۲۔ کتاب الجہاد۔ صفحہ ۴۲۹

ان تمام موارد سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غض بصر سے مراد کم تر دیکھنا یا نگاہیں نہ جمانا یا ان دیکھا خیال کرنا اور گویا مستقل نگاہوں میں نہ رکھنا ہے۔

سورۂ نور کی زیرِ بحث آیت کے ذیل میں صاحب مجمع البیان نے لکھا ہے: "اصل الغض النقصان" یعنی بنیادی طور پر غض کا مفہوم کاہش اور کمی ہے۔ "یقال غض من صوته و من بصره ای نقص"۔ یعنی جب اس مادہ کو "صوت" یا "بصر" سے نسبت دی جاتی ہے تو گویا اس میں کمی کا مفہوم پیدا ہو گا۔ یہی صاحب تفسیر سورۂ حجرات کی آیت کے باب میں لکھتے ہیں: "غض بصره اذا ضعفه عن حدة النظر"۔ یعنی "غض بصر" کا مفہوم نگاہ کی تیزی کو کم کرنا ہے۔ راغب اصفہانی نے اپنی نفیس کتاب "مفردات القرآن" میں اس جملہ کو بالکل اسی مفہوم میں ادا کیا ہے۔

لہٰذا زیرِ بحث آیت میں "یغضوا من ابصارھم" کا مفہوم کم تر دیکھنا ہے یعنی اس پر نظر نہ جمائے رکھنا ہے اور علمائے اصول کی اصطلاح میں ان کی نظر میں عمومیت ہو، خصوصیت نہ ہو۔

توضیحاً یہ کہ کبھی انسان کی نگاہ کسی شخص کے سراپا کو جانچنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس وقت وہ پوری توجہ سے اس کے لباس، اس کی کیفیت آرائش اور اس کے پورے وجود کا بھرپور نگاہ سے جائزہ لیتا ہے لیکن کبھی وہ سامنے کھڑے ہوئے شخص کو صرف اس لیے دیکھتا ہے کہ اس سے بات کر رہا ہوتا ہے اور چونکہ گفتگو کا لازمہ دیکھنا ہے اس لیے آنکھیں اسے دیکھتی ہیں۔ اس طرح کی نگاہ کو جو وسیلۂ تخاطب ہے "آلی نگاہ" کہا جاتا ہے، جبکہ پہلی نوعیت کی نگاہ "استقلالی" ہے۔ پس مذکورہ آیت کے اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ عورتوں کو نہ گھوریں اور ہر طرف انہیں دیکھنے کی

توجہ میں نہ رہیں۔

یہاں اس نکتہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ بعض مفسرین جنہوں نے "غضِ بصر" کو ترکِ نظر کے مفہوم میں لیا ہے اس بات کے مدعی ہیں کہ ترکِ نظر سے مراد شرمگاہ کو نہ دیکھنا ہے۔ چنانچہ بعد کا جملہ بھی شرمگاہ کو لوگوں کی نظروں سے محفوظ رکھنے کی بات کرتا ہے۔ بہرحال جیسا کہ فقہا نے کہا ہے غضِ بصر سے مراد ترکِ نگاہ بطورِ مطلق ہو بھی تو نگاہ کی وابستگی یا مطلق نگاہ کا تذکرہ نہیں ہوا ہے کہ وہ کیا ہے۔[1]

لیکن جیسا کہ ہم نے استنباط کیا ہے اگر "غضِ بصر" سے مراد جم کر نہ دیکھنا ہو یعنی ایسی نگاہ سے اس کا تعلق ہو جو لازمہ تخاطب ہو اور مقصد یہ ہو کہ گھور گھور کر آنکھیں نہ سینکی جائیں تو قطعاً اس کا تعلق چہرے سے کے غضِ بصر سے ہے اور بس، کیونکہ چہرے سے ہٹ کر دوسرے مقامات پر (جس میں غالباً کلائیوں تک دونوں ہاتھ بھی شامل ہیں) نگاہ ڈالنا "غضِ بصر" کے ساتھ بھی ناجائز ہے۔

شرمگاہ کی محافظت

بعد کے جملہ میں ارشاد ہوتا ہے: "ویحفظوا فروجھم"۔ یعنی مومنین سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ ممکن ہے اس سے مفہوم پاکدامن ہوتا ہو۔ یعنی وہ اپنے آپ کو زنا، فحشاء اور دیگر قبائح سے بچائے رکھیں۔

---

[1] حضرت آیت اللہ حکیم کی کتاب "مستمسک العروہ" جلد ۵ صفحہ ۱۹۱ ملاحظہ کریں۔

لیکن اسلام کے دور اول کے مفسرین کا نظریہ اور نیز اخبار و احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ سوائے ان دو آیتوں کے جہاں کہیں قرآن میں شرمگاہ کی حفاظت کا لفظ آیا ہے اس سے مراد زنا سے بچنا ہے۔ صرف مذکورہ دو آیتیں ہی ایسی ہیں جن میں حفاظت بہ اعتبار نظر استعمال ہوا ہے اور مراد شرمگاہ کو چھپانے کا وجوب ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب معاشرے میں شرمگاہ کو چھپائے رکھنے یا ستر عورت کا رواج نہیں تھا۔ اسلام نے اسے واجب قرار دیا۔ اس دورِ جدید میں بھی بعض متمدن مغربی ممالک کشف عورت یا ننگے پن کی تائید و تشویق کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے دنیا کو پھر دورِ جاہلیت میں داخل کیا جا رہا ہے۔

رسّل نے اپنی کتاب موسومہ "تربیت کے باب میں" کے اندر جس چیز کو "غیر منطقی روش" قرار دیا ہے وہ یہی شرمگاہ کو چھپانے کا مسئلہ ہے۔ وہ کہتا ہے آخر ماں باپ کو یہ اصرار کیوں ہے کہ وہ اپنی شرمگاہ کو اپنے بچوں سے چھپائے رکھیں؟ یہ اصرار بچے کی حسِ جستجو کو ابھارتا ہے۔ اگر والدین اپنی شرمگاہوں کو بچوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہ کریں تو اس طرح کا جھوٹا تجسس وجود پذیر نہیں ہوگا۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی شرمگاہیں اپنے بچوں کو دکھائیں تاکہ کوئی بات ڈھکی چھپی نہ رہے اور بچے پہلے ہی ہر شے سے آگاہی حاصل کرلیں۔

"رسّل" شرمگاہ کے چھپانے کے مسئلہ کو TABOO یعنی جبری اخلاق سمجھتا ہے جو معاشرتی علوم کے موضوعات میں سے ایک موضوع ہے اور یہ جنگلی قبائل میں پائی جانے والی ان پابندیوں سے عبارت ہے جو خطرناک اور غیر منطقی ہوا کرتی ہیں۔ رسّل جیسے افراد کے نظریہ کے مطابق آج کی متمدن دنیا

میں رواج پانے والے تمام اخلاقی اصول پورے طور پر "تابو" کے زیر نگیں ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ انسان تمدن کے نام سے پھر وحشی قبائل کے دور میں واپس پہنچنا چاہتا ہے۔ قرآن کریم میں "الجاھلیۃ الاولیٰ" کا جملہ وارد ہوا ہے۔ شاید اس میں یہی بات بتانی مقصود ہو کہ قدیم جاہلیت پہلی جاہلیت تھی۔ بعض روایات میں "ای ستکون جاھلیۃ اخریٰ" آیا ہے۔ گویا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جلد ہی ایک دوسری جاہلیت وجود پذیر ہوگی۔

قرآن "ستر عورت" کے حکم کے بعد فرماتا ہے: ذٰلک ازکیٰ لھم" یعنی یہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ شرمگاہ کا چھپانا ایک طرح سے روح کی پاکیزگی ہے اور اس سے بہتر ہے کہ انسان ہمیشہ پست اعضاء کے متعلق ہی سوچتا رہے۔

اس جملے کے ساتھ قرآن چاہتا ہے کہ اس عمل کے فلسفے اور منطق کو بیان کرے اور قدیم و جدید جاہلیت کو جواب دے کہ وہ ان پابندیوں اور ممانعات کو غیر منطقی اور "تابو" نہ کہیں بلکہ ان کی تاثیر اور منطق پر توجہ دیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: "ان اللہ خبیر بما یصنعون" خداوند عالم ان کے ہر عمل سے باخبر ہے۔

سورۂ نور کی آیت ۳۱ کی تشریحات

بعد کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن" بالکل وہی پہلے بیان کیے جانے والے

دو فریضے، ترکِ نظر و پاکدامنی (سترِ عورت) جو مردوں کے لیے بیان ہو چکے ہیں عورتوں کے لیے بھی انہیں الفاظ کے ساتھ واجب العمل قرار پائے ہیں۔

اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس قسم کے احکامات نوع بشر کی اصلاح اور بہتری کے لیے نافذ ہوتے ہیں۔ عورت ہو یا مرد، اسلامی قوانین کسی امتیاز اور مرد و زن کے اختلاف کی بنیاد پر استوار نہیں ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ تمام واجبات عورت کے لیے ہونے چاہئیں تھے اور مرد اس سے بری الذمہ ہوتے۔

اگر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ ستر پوشی صرف عورت سے مخصوص کی گئی ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ عورت کا خمیر ستر پوشی سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ عورت مظہرِ جمال ہے اور مرد مظہرِ فریفتگی۔ لازماً عورت ہی سے کہنا ہو گا کہ وہ اپنے آپ کو معرضِ نمائش میں قرار نہ دے، مرد سے نہیں۔ لیکن اس کے باوجود مرد عورت سے زیادہ معقول لباس کے ساتھ گھر سے نکلتا ہے اس لیے کہ اسے خود نمائی سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کا میلانِ طبع نظر بازی ہے۔ مرد کی یہ نظر بازی عورت کو خود نمائی کے لیے زیادہ ترغیب دیتی ہے اور عورت میں یہ بات نہیں پائی جاتی، اس لیے مرد میں خود نمائی کا جذبہ بھی بہت کم پایا جاتا ہے۔

زینت

بعد کے جملے میں ارشاد ہوتا ہے: "ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا"

عربی میں زینت کا لفظ اردو کے لفظ "زیور" سے زیادہ وسیع ہے اس لیے کہ زیور اس زینت کو کہا جاتا ہے جو بدن سے علیحدہ رہتا ہے، سونے چاندی اور جواہرات کے ہار وغیرہ، لیکن لفظ زینت زیور کے علاوہ بدن سے متصل آرائشات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے سرمہ و خضاب وغیرہ۔

اس حکم میں کہا گیا ہے کہ عورتوں کو اپنی آرائش اور زیورات کی نمائش نہیں کرنی چاہیے لیکن اس فریضے کے لیے دو استثناؤں کا تذکرہ ہوا ہے" ہم ان دونوں پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

پہلا استثناء

"الا ما ظھر منھا" یعنی سوائے ان زینتوں کے جو خود بخود آشکار ہو جاتی ہیں۔ اس عبارت سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ عورتوں کی زینتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک آشکار اور دوسری مخفی۔ مگر یہ کہ عورت اسے عمداً اور قصداً ظاہر کرنا چاہے۔ پہلی قسم کی زینت کا چھپانا واجب نہیں لیکن دوسری قسم کی زینتوں کا چھپانا واجب ہے۔ یہاں یہ مشکل در پیش ہے کہ آشکار زینت کونسی ہے اور مخفی کونسی؟

اس استثناء کے بارے میں بہت پہلے ہی صحابہ، تابعین اور ائمۂ اطہار علیہم السلام سے سوال ہوا اور اس کا جواب بھی دیا جا چکا ہے تفسیر مجمع البیان میں آیا ہے: اس استثناء کے بارے میں تین اقوال ہیں:

پہلا یہ کہ آشکار زینت سے مراد لباس ہے (اوپری لباس) اور پیروں کے کڑوں، انگوشیوں اور چوڑیوں کو مخفی زینت کہا گیا ہے اور یہ قول مشہور صحابی رسولؐ حضرت ابن مسعود سے نقل ہوا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ظاہری زینتوں سے مراد سرمہ، انگوٹھی اور ہاتھوں کی مہندی ہے۔ یعنی وہ سنگھار جو چہرے اور کلائی تک ہاتھوں سے متعلق ہے اور یہ ابن عباس کا قول ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ آشکار زینت سے مراد خود چہرہ اور کلائیوں تک

دونوں ہاتھ ہیں اور یہ قول ضحاک اور عطا کا ہے۔

تفسیر کافی میں اس جملے سے متعلق ائمہ طاہرین علیہم السلام سے کچھ روایتیں نقل ہوئی ہیں جنہیں ہم بعد میں نقل کریں گے۔

تفسیر کشاف میں آیا ہے: "زینت عبارت ہے ان چیزوں سے جن سے عورت اپنے آپ کو آراستہ کرتی ہے۔ جیسے سونے کے زیورات، سرمہ اور خضاب وغیرہ۔ انگوٹھی، چھلا، سرمہ اور خضاب جیسی زینتوں کے ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن ہاتھوں اور پیروں کے کڑے، بازوبند، گلوبند، تاج، کمربند اور گوشوارے جیسی پنہاں زینتوں کو آشکارا نہیں ہونا چاہیے۔ مگر ان لوگوں کے سامنے جنہیں آیت نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔"

صاحب کشاف کہتے ہیں: "آیت میں خود پوشیدہ زینتوں کی گفتگو ہے نہ بدن میں ان کے مقامات کی اور یہ ہاتھ بازو، پاؤں، گردن، سر، سینہ اور کان جیسے بدن کے حصوں کو چھپانے میں زیادہ شدت اختیار کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔

اس کے بعد صاحب کشاف عورتوں کے مصنوعی بالوں پر گفتگو کرتے ہیں اور پھر ظاہری زینت کے مقامات سے متعلق ایک دوسری بحث کرتے ہیں کہ سرمہ، خضاب، سرخاب اور انگوٹھی جیسی ظاہری زینتوں اور چہرے اور ہاتھوں سے متعلق ان کے مقامات کے استثناء کا فلسفہ کیا ہے؟

پھر وہ اس کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس کا فلسفہ یہ ہے کہ عورت کے لیے ان کا چھپانا بہت دشوار ہے۔ اس کے لیے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اشیاء کو اٹھائے اور اپنا چہرہ کھلا رکھے۔ خاص طور پر جہاں اسے مقدمات میں گواہی دینی ہو یا شادی بیاہوں کے موقعوں پر اسے گلی کوچوں میں راستہ طے کرنا ہوتا ہے اور چلتے ہوئے خواہ مخواہ اس کے پیر دکھائی دیتے

ہیں۔ خاص طور پر ان غریب عورتوں کے پاؤں اور پنڈلیاں نہیں چھپ سکتیں کہ جن کے پاس موزے اور کبھی کبھی جوتے بھی نہیں ہوتے۔ یہ ہے: "علی ما ظهر منها" کا مفہوم' اور حقیقتاً" اس کے معنی یہ ہیں: "مگر وہ جو عادتاً" اور طبعاً" ظاہر ہو جاتے ہیں۔"

اس کے بعد صاحب کشاف دوسرے استثناء یعنی "محارم" کے فلسفے کی طرف آتے ہیں اور پھر ان آیتوں کے نزول سے قبل عورتوں کی کیفیت کو نقل کرتے ہیں کہ ان کے گریبان کشادہ اور کھلے ہوتے تھے۔ ان کی گردن سینہ اور اطراف کا حصہ صاف دکھائی دیتا تھا' ان کی اوڑھنی کا انداز بھی اس طرح کا ہوتا تھا کہ اس سے گردن اور سینہ نہیں چھپتا تھا۔

فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں اس بحث کے بعد کہ کیا زینت صرف مصنوعی زیبائش کو کہا جاتا ہے یا فطری زیبائش بھی اس میں شامل ہے خود ہی دوسری رائے کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں: قفال کی طرح فطری زیبائی مراد لینے والوں کا خیال ہے کہ آشکار زینت سے مراد عورتوں میں چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ اور مردوں میں چہرہ دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ہیں۔ قفال کے خیال کے مطابق چونکہ ضرورت معاشرت اس بات کی متقاضی ہے کہ چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ کھلے رہیں اور شریعت اسلام ایک سہل اور آسان شریعت ہے اس لیے چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب قرار نہیں دیا گیا۔۔۔۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زینت کو مصنوعی امور پر محمول کیا ہے ان کا خیال ہے کہ ظاہرہ زینت سے مراد چہرے اور ہاتھوں سے متعلق سنگھار اور سجاوٹ ہے اور اس استثناء کا سبب یہ ہے کہ انکا چھپانا عورت کے لیے دشوار امر ہے۔ اس کو کسی شے کو اٹھانے کے لیے ہاتھوں کا

استعمال کرنا ہی پڑتا ہے اور گواہی، مقدمات اور شادی کے مواقع پر بھی اس کے لیے چہرہ کھولنا ناگزیر ہے۔

اس استثناء کے بارے میں ائمہ طاہرین علیہم السلام سے بہت زیادہ پوچھا گیا ہے اور انہوں نے اس کا جواب بھی دیا ہے۔ چنانچہ ہم کتب حدیث سے چند روایتیں پیش کرتے ہیں۔ غالباً تفسیر صافی میں بھی ان دونوں روایتوں کو نقل کیا گیا ہے اور ان میں بظاہر کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

۱۔ عن زرارہ عن ابی عبداللہ علیہ السلام فی قولہ تعالیٰ: "الا ما ظھر منھا"؟ قال الزینۃ الظاھرۃ الکحل والخاتم[1]

یعنی امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ وہ آشکار زینت جس کا عورت کے لیے چھپانا واجب نہیں کیا ہے؟

آپ نے فرمایا وہ سرمہ اور انگوٹھی ہے۔

۲۔ عن علی بن ابراھیم القمی عن ابی جعفر علیہ السلام فی ھذہ الایہ، قال: ھی الثیاب والکحل والخاتم وخضاب الکف والسوار۔ والزینۃ ثلث: زینۃ للناس وزینۃ للمحرم وزینۃ للزوج، فاما زینۃ الناس فقد ذکرناھا واما زینۃ المحرم فموضع القلادۃ فما فوقھا والدملج وما دونہ والخلخال وما اسفل منہ، واما زینۃ الزوج فالجسد کلہ[2]۔

---

[1] کافی جلد ۵۔ صفحہ ۵۲۱ اور "وسائل" جلد ۳۔ صفحہ ۲۵

[2] تفسیر صافی۔ سورۂ نور، آیت ۳۱ کے ذیل میں۔ نقل از تفسیر علی بن ابراہیم قمی۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ظاہر زینت لباس، سرمہ، انگوٹھی، مہندی اور چوڑیوں سے عبارت ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا زینت تین قسم کی ہیں: ایک تمام لوگوں کے لیے ہے اور وہ یہی ہے جسے ابھی ہم کہہ چکے ہیں۔ دوسری محرموں کے لیے ہے اور وہ گلوبند سے اوپر بازوبند اور پازیب سے نیچے کی جگہ ہے۔ تیسری زینت کا تعلق شوہر سے ہے اور وہ عورت کا پورا بدن ہے۔

۳۔ ابی بصیر عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال سئلتہ عن قول اللہ عزوجل: ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ قال الخاتم والمسکۃ وھی القلب[1]

ابوبصیر کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے "الا ما ظھر" کی تفسیر پوچھی۔ آپ نے فرمایا وہ انگوٹھی اور کنگن سے عبارت ہے۔

۴۔ عن بعض اصحابنا عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال قلت لہ ما یحل للرجال من المرأۃ ان یری اذا لم یکن محرما قال الوجہ والکفان والقدمان[2]

ترجمہ: راوی جس کا تعلق شیعہ فرقہ سے ہے کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ مرد محرم نہ ہونے کی صورت میں عورت کے جسم کے کس حصے کو دیکھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا چہرہ ہتھیلیاں اور دونوں پیر۔

یہ روایت عورت کے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے کے جواز سے متعلق ہے نہ ان کے چھپائے جانے کے عدم وجوب سے، اور یہ دونوں ایک

---

[1] اور [2] "کافی"، جلد ۵۔ صفحہ ۵۲۱ اور "وسائل" جلد ۲۔ صفحہ ۲۵

دوسرے سے الگ مسئلے ہیں لیکن ہم بعد میں عرض کریں گے کہ اشکال زیادہ تر جواز نظر میں ہے نہ پوشیدگی کے عدم وجوب میں۔ اگر نظر ڈالنا جائز ہو تو بطریق اولیٰ چھپانا واجب نہیں۔ ہم اس کے بارے میں آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

۵۔ حضرت ابوبکر کی بیٹی اسماء جو حضرت عائشہ کی بہن تھی، ایسا لباس پہن کر رسولؐ خدا کے گھر آئی کہ جس سے اس کا جسم جھلکتا تھا۔ رسولؐ خدا نے اپنا چہرہ مبارک اس کی طرف سے پھیر لیا اور فرمایا:

"یا اسماء ان المراۃ اذا بلغت المحیض لم تصلح ان یری منها الا هذا و هذا۔ واشار الی کفه و وجهه۔"[1]

یعنی اے اسماء! عورت جوان ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ دکھائی دے، مگر یہ اور یہ ـــ یہ کہہ کر آپ نے اپنے چہرے اور کلائی سے نیچے دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔

یہ روایات ابن عباس، ضحاک اور عطا کے نظریہ سے منطبق ہیں۔ اس میں ابن مسعود منفرد ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ زینت سے مراد ظاہر لباس ہے۔

بنیادی طور پر ابن مسعود کا نظریہ قابل توجیہ نہیں اس لیے کہ خود بخود آشکار ہونے والا لباس وہی ہے جو اوپر پہنا جاتا ہے۔ نیچے پہنا جانے والا لباس ظاہر ہے دیکھا نہیں جاتا۔ اس صورت میں اس کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا کہ عورتیں اپنی زینتوں کو آشکار نہ کریں، مگر وہ لباس جو اوپر پہنا جاتا ہے۔ اوپر پہنا جانے والا لباس قابل اخفاء نہیں ہے جسے استثناء کیا جائے لیکن اس کے برعکس وہ تمام چیزیں جو ابن عباس، ضحاک اور عطاء کے جملوں میں شیعی روایتوں

---

[1] سنن ابوداؤد۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۸۳

میں پائی جاتی ہیں، یہی وہ زینتیں ہیں کہ جن کے ڈھانکے جانے کے بارے میں حکم دیا جا سکتا ہے۔

بہرحال یہ روایتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ عورت کے لیے چہرہ اور کلائیوں تک ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں اور ان حصوں پر سرمہ اور مہندی اور ان آرائشوں کے دکھائی دینے میں بھی کوئی اشکال نہیں جو عورت کی خصوصیات میں سے ہیں۔

البتہ یہ بات عرض کر دوں کہ میں نے اس مسئلہ کو اپنی نظر سے بیان کیا ہے۔ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنے مرجع تقلید کے فتویٰ پر عمل کرے۔ ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ بعض مراجع تقلید کے فتویٰ کے مطابق ہے۔ مگر ممکن ہے بعض مراجع کے فتوے اس سے ہم آہنگ نہ ہوں (اگرچہ اس کی مخالفت پر مبنی کوئی فتویٰ موجود نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ بطور صریح نہیں بطور احتیاط ہے) اس گفتگو سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ اساس اسلام کے نزدیک ہو کر واقفیت حاصل کریں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ آج معاشرے کا ایک بڑا حصہ جو اپنے آپ کو روشن فکر کہلاتا ہے، اسلام کو خاص طور پر عورتوں سے متعلق مسائل میں منفی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اسلام کیا کہتا ہے، اسے اسلام کے اجتماعی فلسفے سے آگاہی نہیں اور اسی لیے اس کی منفی سوچ سو فی صد بے بنیاد ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ اپنی خواہشات کی پیروی میں عملاً پردے اور پاکدامنی کے قائل نہیں بلکہ اسلام کے فلسفۂ حجاب اور اس کی منطق سے آشنائی نہ ہونے کے سبب اسے خرافات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حکم نوع بشر کی بدبختی کا سبب ہے اور یہی فکر اسلام سے ان کی دوری اور بیگانگی بلکہ لاتعلقی کا سبب بنی ہے۔

اگر صرف عمل نہ کرنے اور شہوات کی پیروی کی صورت ہوتی تو پھر بھی بات آسان تھی مگر یہاں تو انکار اسلام اور بے اعتقادی کا مسئلہ ہے۔ آپ پر لازم ہے

کہ اسلام کے معاشرتی فلسفہ سے بہت قریب ہو کر آشنائی حاصل کریں تاکہ ایسے اشخاص سے ٹکراؤ میں آپ انہیں جواب دے سکیں۔

ظاہر ہے کہ صرف عملیہ کے رسالوں کا پڑھ لینا اور اس مقصد کے لیے اصل فتووں کا سے آگاہی حاصل کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اس منزل پر باعتبار نقل معاشرتی فلسفہ کے پہلو سے بھی ایک استدلالی بحث کی ضرورت ہے اور اسی وجہ سے ہم پر لازم ہو گیا ہے کہ اس موضوع پر دلائل و اسناد کے ساتھ استدلالی بحث کریں۔

لیکن اس بارے میں کہ عورت اپنے محارم کے سامنے کس حد تک پردہ نہ کرنے کا حق رکھتی ہے، مختلف روایات اور فتاوی ہیں۔ ان روایتوں اور بعض فقہا کے فتووں سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ عورت کو ماسوائے شوہر کے دیگر محارم کے سامنے ناف سے زانو تک کا پردہ رکھنا ضروری ہے۔

معیارِ پردہ

اس استثناء کے بعد وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ کا جملہ آیا ہے۔ یعنی انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینے اور گریبانوں پر ڈالے رہیں۔ البتہ دوپٹہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ مقصد سر، گردن اور گریبان کا ڈھانپنا ہے، جسے ہم پہلے بھی تفسیر کشاف کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔ عرب عورتیں عام طور پر ایسے کرتے پہنا کرتی تھیں جن کے گریبان کھلے ہوا کرتے تھے جن میں سے ان کی گردن اور سینہ نمایاں ہوتا تھا۔ جو کپڑا وہ دوپٹہ کے طور پر اوڑھتی تھیں وہ بھی سر کے پیچھے سے کاندھوں پر اس طرح ڈالا جاتا تھا کہ اس سے کان، سینہ اور گردن سب کے سب نمایاں رہتے تھے۔ یہ

آیت حکم دیتی ہے کہ وہ سر پر اوڑھے ہوئے اسی دوپٹے کے دونوں لٹکے ہوئے حصوں کو اپنے سینے اور گریبان پر اس طرح ڈال لیں کہ بدن کے مذکورہ حصے اچھی طرح چھپ جائیں۔

ابن عباس نے اپنی تفسیر میں یہ جملہ کہا ہے:

تغطی شعرها وصدرها وترائبها وسوالفها۔ [1]

یعنی عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے بال، سینہ، گردن اور اطراف گردن کے ڈھانپے رہے۔ یہ آیت بدن کے ان حصوں کو مشخص کرتی ہے جنہیں ڈھنپا رہنا چاہیے۔
اس آیت کے ذیل میں اہل تشیع اور اہل تسنن دونوں نے روایت کی ہے کہ:

"ایک دن مدینہ کے گرم موسم میں ایک خوبصورت نوجوان عورت ایک سڑک پر اس طرح جا رہی تھی کہ اس کا دوپٹہ وہاں کے معمول کے مطابق گردن کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور اس کی گردن اور کان نمایاں تھے۔ اصحاب رسولؐ میں سے ایک صحابی سامنے سے آ رہے تھے اس خوبصورت منظر نے انہیں بہت متاثر کیا اور وہ اسے دیکھنے میں ایسے محو ہو گئے کہ انہیں اپنی خبر رہی اور نہ ماحول کی وہ بڑی دیر تک نگاہوں سے اس کا تعاقب کرتے رہے اور پھر اسی فکر میں دنیا و ما فیہا سے بے خبر آگے بڑھ گئے۔ اس بے خیالی میں اچانک دیوار سے باہر نکلی ہوئی کسی ہڈی یا شیشے سے انکا چہرہ بری طرح زخمی ہو گیا۔ جب وہ اپنے آپ میں آئے تو انکے چہرے سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] مجمع البیان۔ سورۂ نور کی آیت ۳۱ کے ذیل میں۔

کے حضور پہنچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ۔۔۔۔۔۔ الی آخر[1]

اس آیت میں وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ کی لغوی ترکیب یعنی لفظ "علی" کے ساتھ لفظ "ضرب" کی ترکیب کسی چیز کو دوسری چیز پر اس طرح رکھ دینے کے مفہوم کو پیش کرتی ہے کہ وہ شے دوسری شے پر مانع و حاجب بن جائے۔

صاحب تفسیر کشاف کہتے ہیں: "ضربت بخمارھا علی جیبھا کقولک ضربت بیدی علی الحائط اذا وضعتھا علیہ۔

---

[1] کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۱ ۔ وسائل جلد ۲ صفحہ ۲۴ ۔ تفسیر صافی اور تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۵ صفحہ ۴۰ پر اسی آیت کے ذیل میں اس واقعہ کو درج کیا گیا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کان، سینہ اور اطراف گردن کھول کر چلنے والی خاتون اور رسولؐ خدا کے صحابی کی شہوت آلود نگاہوں سے متعلق اس حدیث کو عام طور پر محدثین اور مفسرین نے "قل للمومنین یغضوا ۔۔۔۔۔۔" کی آیت کے شان نزول کے باب میں لکھا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے یہ آیت "قل للمومنات یغضضن من ابصارھن" سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ حالانکہ یہ دونوں آیتیں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں اور جس طرح پہلی آیت مرد کی نگاہوں سے متعلق فریضے کو ظاہر کرتی ہے، دوسری آیت "ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن" عورتوں کے فریضے کو بیان کرتی ہے۔ بظاہر یہی سبب ہے کہ تفسیر صافی میں اس حدیث کو دوسری آیت کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے اور یہاں اس حدیث سے متعلق ہمارے استدلال کی بھی یہی بنیاد ہے۔

یعنی یہ تعبیر ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ ہم نے اپنا ہاتھ دیوار پر رکھا۔

تفسیر کشاف میں پھر سورۂ کہف کی گیارھویں آیت کے ذیل میں "فضربنا علٰی آذانہم" کی منزل پر صاحب تفسیر نے لکھا ہے:

"ای ضربنا علیھا حجابا من ان تسمع" یعنی ان کے کانوں پر ہم نے ایک پردہ قرار دیا ہے تاکہ وہ سن نہ سکیں۔

موضوع بحث آیت کے سلسلے میں صاحب تفسیر مجمع البیان نے لکھا ہے: عورتوں کو یہ امر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے سر کی چادر کو اپنے سینوں پر اس طرح ڈال دیں کہ ان کے گردن کے اطراف کا حصہ ڈھکا رہے۔ ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ اس دور کی عورتیں اپنے سر کی چادر یا اوڑھنی کو اپنے سر کے پیچھے کی طرف ڈالا کرتی تھیں۔ لفظ "جیوب" جو گریبان کے مفہوم میں ہے "سینوں" کی طرف کنایہ ہے کیونکہ گریبان ہی سینوں کو ڈھانکتا ہے اور یہ اس لیے کہا گیا ہے کہ عورتیں اپنے بندوں، بالوں اور گردنوں کو چھپائے رہیں۔ ابن عباس اس آیت کے ذیل میں کہتے ہیں: عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بال، سینے اور گردن کے نچلے حصے کو پوشیدہ رکھے۔

تفسیر صافی میں بھی "ولیضربن بخمرھن علٰی جیوبھن" کے جملے کے بعد لکھا ہے: اس لیے کہ گردنیں پوشیدہ رہیں۔

بہرحال مراد یہ ہے کہ یہ آیت بڑی وضاحت کے ساتھ عورت کے پردے کے واجبی حدود کو ظاہر کرتی ہے۔ سنی اور خاص طور پر شیعہ تفاسیر اور روایات مکمل طور پر موضوع کو واضح کرتی ہیں اور آیت کے مفہوم میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

دوسرا استثناء

"ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن۔ الخ" یعنی اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کریں، مگر اپنے شوہروں ..... وغیرہ وغیرہ کے لیے۔

پہلے استثناء نے زینت کی اس مقدار کو معین کیا جس کا عام افراد پر نمایاں ہونا جائز ہے لیکن دوسرے استثناء نے چند معین افراد کے نام لیے جن پر زینتوں کا ظاہر کرنا جائز ہے۔ پہلے استثناء میں اس کا دائرہ باعتبار مقامات بدن محدود یا تنگ اور باعتبار افراد لامحدود اور وسیع ہے اور دوسرا استثناء اس کے برعکس ہے۔ آیت میں آنے والے بیشتر افراد وہی ہیں جنہیں فقہی اصطلاح میں محارم کہا جاتا ہے اور وہ اس طرح ہیں:

"اے رسولؐ! ایماندار عورتوں سے بھی کہدو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اپنے بناؤ سنگھار کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے اس کا گناہ نہیں اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔ اپنے شوہروں، اپنے باپ داداؤں، اپنے شوہروں کے باپ داداؤں، اپنے بیٹوں یا اپنے شوہر کے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنے بھتیجوں، اپنے بھانجوں اور اپنی عورتوں یا لونڈیوں اور اپنے گھر کے وہ نوکر جو بہت بوڑھے ہونے کی وجہ سے عورتوں سے کوئی مطلب نہیں رکھتے یا وہ کمسن لڑکے جو عورتوں کے راز کی باتوں سے آگاہ نہیں ہیں، ان کے سوا اپنا بناؤ سنگھار کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا کریں۔ وہ چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ رکھیں کہ لوگوں کو ان کے پوشیدہ بناؤ سنگھار کی خبر ہو جائے۔ اے ایماندارو! تم سب کے سب خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو کہ تم فلاح پاؤ۔"

۱۔ لبعولتھن	اپنے شوہروں
۲۔ او آبائھن	باپ داداؤں
۳۔ او آباء بعولتھن	شوہروں کے باپ داداؤں
۴۔ او ابنائھن	اپنے بیٹوں
۵۔ او ابناء بعولتھن	اپنے شوہروں کے بیٹوں
۶۔ او اخوانھن	اپنے بھائیوں
۷۔ او بنی اخوانھن	اپنے بھتیجوں
۸۔ او بنی اخواتھن	اپنے بھانجوں
۹۔ او نسائھن	اپنی عورتوں
۱۰۔ او ماملکت ایمانھن	اپنی لونڈی غلاموں
۱۱۔ او التابعین غیر اولی الاربة	وہ مرد جنہیں عورتوں کی حاجت نہیں
۱۲۔ او الطفل الذین لم یظھروا علی عورت النساء	جنسی امور سے ناواقف یا اس پر قدرت نہ رکھنے والے بچے

مذکورہ افراد میں سے آخری چار محارم قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ اپنی عورتیں (نسائھن)

اس لفظ میں تین احتمال ہیں:

۱۔ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں۔ آیت کا مفہوم اس قول کی بنا پر یہ ہے کہ غیر مسلم عورتیں نامحرم ہیں اور مسلمان عورتوں کو انکے سامنے کھل کر نہیں آنا چاہیے۔

۲۔ اس سے مراد مطلق عورتیں ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔
۳۔ اس سے مراد گھر میں ملازمہ کے طور پر کام کرنے والی عورتیں ہیں۔ گویا ہر عورت گھر کی عورتوں کے علاوہ باقی تمام عورتوں کے لیے نامحرم ہے اور یہ احتمال غیر قابلِ یقین ہے اس لیے کہ یہ بات مسلمات نیز ضروریات اسلام سے ہے کہ ہر عورت دوسری عورت کے لیے محرم ہے۔

دوسرا احتمال بھی ضعیف ہے کہ اس احتمال میں ضمیر کی طرف "نساء" کے اضافے کے لیے کوئی نکتہ موجود نہیں ہے لیکن پہلے احتمال کے مطابق اس اضافہ میں نکتہ یہ ہے کہ کافر عورتیں غیر اور بیگانہ ہیں اور وہ ان میں سے نہیں ہیں۔

درحقیقت پہلا احتمال محکم ترین احتمالات میں سے ہے اور ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں جن میں مسلمان عورتوں کو یہودی اور نصرانی عورتوں کے سامنے برہنہ ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ ان روایات میں استناد ہوا ہے کہ ممکن ہے غیر مسلم عورتیں مسلمان عورتوں کے حسن کا اپنے شوہروں یا بھائیوں سے تذکرہ کریں:

" لانہن قد یصفن لازواجہن و اخوانہن "

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ کسی مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسری عورتوں کی زیبائیوں کو اپنے شوہر کے لیے بیان کرے۔ یہ قانون مسلمان عورتوں کو ایک دوسرے کے سامنے محفوظ رکھتا ہے لیکن غیر مسلمان عورتوں کے لیے یہ مسئلہ ناقابلِ اطمینان ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے سامنے مسلمان عورتوں کے حسن کو ظاہر کریں لہٰذا مسلمان عورتوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپکو ان سے پوشیدہ رکھیں لیکن پھر بھی آیت نے مکمل طور پر اس بات کی صراحت نہیں کی ہے کہ ان کے سامنے بناؤ سنگھار اور خوبصورتی کا اظہار حرام ہے۔ لہٰذا دیگر دلائل اور قرائن سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ عمل مکروہ ہے۔ عام طور پر فقہا اس مسئلہ میں غیر مسلمان عورت کے سامنے مسلمان عورت کے پردے کے قائل نہیں بلکہ

وہ صرف پردہ نہ کرنے کی کراہت پر فتویٰ دیتے ہیں۔

ب۔ اپنے کنیز و غلام

اس جملے میں دو باتوں کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ اس سے مراد صرف کنیزیں ہیں اور دوسرے یہ کہ مراد مطلق طور پر مملوک ہے جس میں کنیزوں کے ساتھ غلام بھی شامل ہیں۔ اس مقام پر روایات اس دوسری تفسیر کی تائید کرتی ہیں مگر فقہاء کے فتوے اس سے ہم آہنگ نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک عراقی شخص مدینہ آیا اور امام جعفر صادقؑ کے حضور شرفیاب ہوا۔ گفتگو کے دوران جب اہل مدینہ کی بات درمیان میں آئی تو اس شخص نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ لوگ اپنی عورتوں کو غلاموں کے ساتھ بھیجتے ہیں اور سوار ہونے کے وقت غلاموں سے مدد لیتے ہیں۔ مثلاً غلاموں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر سوار ہوتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس کے بعد آپ نے اسی موضوع سے متعلق سورۂ احزاب کی آیت ۵۵ کی یوں تلاوت کی۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ۔

یعنی اپنے باپ، دادا، بیٹے، بھائی بھتیجے، بھانجے، خواتین اور لونڈی غلاموں کے باب میں عورت کے لیے کوئی حرج نہیں ہے۔[1]

---

[1] کافی۔ جلد ۵۔ صفحہ ۵۳۱

کنیز ہو یا غلام، اسلام بعض احکامات میں ان کے لیے استثناء کا قائل ہے۔ مثلاً پردے اور حرمت نظر کے اعتبار سے کنیزوں اور آزاد عورتوں میں بڑا فرق ہے۔ کنیزوں پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اپنے سر ڈھانپیں حالانکہ آزاد عورتوں پر سر کا ڈھانپنا واجب ہے۔ ظاہراً اس کا سبب ان کی خدمت گاری ہے اور بعید نہیں کہ غلام بھی اسی طرح کا استثناء رکھتے ہوں۔

تاہم جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں فقہاء کے فتووں کے اعتبار سے یہ حکم بعید ہے لیکن دوسری طرف سے "او ما ملکت ایمانھن" کے جملے کو بطور خاص کنیزوں پر محمول کرنا بھی دُور از فہم ہے۔

اگر ہم مملوک کے استثناء کو صرف کنیزوں کے لیے منحصر کریں تو کہنا پڑے گا کہ آزاد عورتیں ایک دوسرے کے لیے مطلق محرم ہیں لیکن کنیز آزاد عورتوں کے لیے محرم نہیں ہے مگر وہ آزاد عورت جو اس کی مالکہ ہو اور جب ہم اس بات کو اس فتوے میں اضافہ کریں جس میں کہا گیا ہے کہ بہت سے فقہاء نے کنیزوں کے لیے پردہ کو غیر مردوں کے سامنے بھی واجب نہیں جانا ہے تو بڑا عجیب نتیجہ برآمد ہوگا۔ وہ یہ کہ کنیز تمام مردوں کے لیے محرم ہے اور آزاد عورتیں تمام کنیزوں کے لیے نامحرم ہیں۔ گویا کنیز اس حکم میں مردوں کی صف میں داخل ہو جائے گی اور یہ صورت کبھی درست نہیں ہوگی۔

ج۔ وہ مرد جنہیں عورتوں کی حاجت نہیں (التابعین غیر اولی الاربۃ)

مسلّم طور پر اس جملے میں وہ دیوانے اور عقل سے عاری افراد شامل

ہیں جن میں کوئی شہوت نہیں اور عورت کی کشش محسوس کرنے سے قاصر ہیں۔ بعض افراد نے اس آیت میں زیادہ عمومیت پیدا کی ہے اور ان میں محل سراؤں کے مخنثوں کو بھی اس بنیاد پر شامل کر لیا ہے کہ ان میں بھی عورتوں کی خواہش نہیں ہوتی۔ گزشتہ دور میں اس فتوے کی بنیاد پر مخنثوں اور خواجہ سراؤں کو محرم سمجھ کر انہیں حرم سراؤں کی خدمت پر مامور کیا جاتا تھا۔

بعض دوسرے افراد نے اس آیت کو اور زیادہ وسعت دیدی ہے اور کہا ہے کہ اس میں فقراء اور مساکین بھی شامل ہیں۔ جو لوگ روٹی کے ایک نوالے کے لیے محتاج ہیں اور طبقاتی فاصلے کے اعتبار سے بھی ان میں بہت دوری پائی جاتی ہے، ہرگز جنسی مسائل کی فکر انہیں لاحق نہیں ہوتی۔

لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس آیت کے مفہوم میں اس قدر وسعت غیر حقیقی ہے۔ در اصل اس میں وہی پہلے طبقے کے افراد آتے ہیں اور اگر ہم اسے زیادہ عمومیت دینا چاہیں تو زیادہ سے زیادہ دوسرے طبقے کو بھی اس میں شامل کر سکتے ہیں۔

جنسی امور سے ناواقف یا

اس پر قدرت نہ رکھنے والے بچے

(الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء)

اس حصے کی بھی دو طرح سے تفسیر کی جا سکتی ہے "لم یظھروا" کا جملہ ظہور کے مادے سے ہے اور "علی" کے جملے نے اسے متعدی بنا دیا ہے۔ ممکن ہے ان دونوں لفظوں کی ترکیب "اطلاع" کا مفہوم پیش کرے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے: وہ بچے جو عورتوں کے پوشیدہ راز سے واقف

نہیں اور ممکن ہے اس سے "غلبہ اور قدرت" مفہوم لیا جائے۔ ایسی صورت میں مراد یہ ہوگا: ایسے بچے جو عورتوں کے پوشیدہ امور سے استفادہ پر قدرت نہیں رکھتے۔

پہلے احتمال کے مطابق ناسمجھ بچے مراد ہیں جن میں ایسی باتوں پر دھیان دینے کی صلاحیت نہیں لیکن دوسرے احتمال کے مطابق وہ بچے مراد ہیں جو جنسی امور پر قادر نہیں اور ہم انہیں نابالغ بچے کہہ سکتے ہیں۔ ہر چند ان میں تمیز پیدا ہو گئی ہو۔ دوسرے احتمال کے مطابق وہ بچے جو سب کچھ سمجھتے ہیں اور ابھی حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں' اس استثناء میں شامل ہیں اور فقہا کے فتوے بھی اسی تفسیر کے مطابق ہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: "ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن" یعنی عورتیں اپنی زینتوں کے اظہار کے لیے زمین پر پاؤں مار کر نہ چلیں۔

عرب عورتیں عام طور پر پازیب پہنتی تھیں اور یہ بتانے کے لیے کہ انہوں نے قیمتی پازیب پہن رکھا ہے اپنے پیر کو زور سے زمین پر مار کر چلا کرتی تھیں۔ آیت کریمہ نے انہیں اس امر سے روکا اور اس کی نہی فرمائی۔

اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ تیز خوشبو اور پرکشش آرائش جیسی ہر وہ چیز جو مردوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتی ہے عورت کے لیے ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اصولی طور پر عورتوں کو معاشرے میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو مردوں کی تحریک و تہییج کا باعث ہو یا نامحرم لوگ اس عمل سے ان کی طرف متوجہ ہوں اور ان میں دلچسپی لیں۔ آیت کا آخری جملہ ہے: "وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون"

یعنی اے اللہ کے مومنو! تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ تمہیں فلاح اور رستگاری حاصل ہو۔

قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ تمام احکامات کے بعد لوگوں کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے تاکہ وہ احکامات پر عمل پیرا ہونے میں سہل انگاری سے کام نہ لیں۔

دیگر آیتیں

سورۂ نور کی ۵۸-۵۹ اور ۶۰ آیتیں بھی انہی مباحث سے متعلق ہیں۔ ہم ان کی بھی تفسیر پیش کریں گے۔

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَلَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۔ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۔ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ

مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَ اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

اے صاحبانِ ایمان! لازم ہے کہ تمہاری لونڈی، غلام اور جو تم میں ابھی سن بلوغ کو نہ پہنچے ہوں تم سے ملنے کے لیے تین موقعوں پر اجازت طلب کریں: نماز فجر سے پہلے، دوپہر جب تم (قیلولہ کے لیے) اپنے لباس اتار دیتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد۔ یہ تینوں تمہارے تخلیے کے وقت ہیں۔ ان تینوں وقتوں کے علاوہ بلا اجازت آنے جانے میں تمہارے ذمہ کوئی الزام ہے نہ ان کے ذمہ، اور تم ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہو۔ اللہ اس طرح تمہارے لیے احکام کھول کر بیان کرتا ہے، خداوند عالم بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اور جب تمہارے بچے بالغ ہو جائیں تو ان پر بھی لازم ہے کہ تمہاری خلوت گاہ میں آنے کے لیے دوسروں کی طرح اجازت طلب کریں۔ خداوند عالم اپنی آیتوں کو اس طرح کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ صاحب علم و حکمت ہے۔

وہ سن رسیدہ عورتیں جن کو نکاح کی امید باقی نہ ہو تو ان کے لیے اس صورت میں برقع اتار دینے میں کوئی حرج نہیں کہ وہ بناؤ سنگھار کے عالم میں نہ ہوں اور قصد خود نمائی نہ رکھتی ہوں، لیکن اگر وہ برقع اتار دینے سے باز رہیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے، اور خداوند عالم سننے اور جاننے والا ہے۔"

ان آیتوں میں دو استثناء ہیں۔ ایک کمرے میں داخل ہونے سے پہلے

طلب اجازت کا دستور اور دوسرے عورتوں کے پردے کا اصول پہلی اور دوسری آیت پہلے استثناء اور تیسری آیت دوسرے استثناء سے متعلق ہے۔

ہم پہلے اس حکم کی توضیح کر چکے ہیں کہ جو کوئی کسی خلوت کدہ میں داخل ہونا چاہے تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ پہلے اجازت طلب کرے اور ہم اس میں یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ حکم قریبی محارم پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ ان آیتوں میں دو طبقے اس دستور سے مستثنیٰ ہیں۔ ان دو طبقوں کے لیے صرف تین وقتوں میں طلب اجازت ضروری ہے مگر دوسرے اوقات میں وہ آزاد ہیں اور وہ دو طبقے یہ ہیں:

۱۔ الذین ملکت ایمانکم — تمہارے کنیز و غلام

۲۔ الذین لم یبلغوا الحلم منکم — تمہارے نابالغ بچے

وہ تین وقت جس میں یہ دو گروہ طلب اجازت کے پابند ہیں ان اوقات سے عبارت ہیں: نماز فجر سے پہلے، دوپہر جب لوگ گرمی کی خاطر اپنا اوپری لباس اتار کر سستاتے ہیں اور نماز عشاء کے بعد جو سونے کا وقت ہوتا ہے۔

ان مواقع پر بالعموم مرد و زن سونے کے مخصوص لباس میں ہوتے ہیں اور چونکہ وہ یا ابھی (قبل نماز صبح) سو کر اٹھے ہوتے ہیں اور ان کا لباس مکمل نہیں ہوتا اس لیے کنیزوں، غلاموں اور نابالغ بچوں کو طلب اجازت کے ساتھ کمرے میں داخل ہونا چاہیے لیکن دوسرے مواقع پر کثرت آمد و رفت کے سبب "طوافون علیکم بعضکم علےٰ بعض" طلب اجازت کی ضرورت نہیں۔ ان آیتوں میں ہم تین نکتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۱۔ "الذین ملکت ایمانکم"۔ جمع مذکر کے لیے استعمال ہونے والے موصول کے ساتھ "الذین" کا ذکر عمل میں آیا ہے جو حتمی طور پر غلاموں کے شامل حال ہوتا ہے اور تفسیر اور روایتوں میں بھی اس کی تصریح

موجود ہے۔ کافی میں امام جعفر صادق ؑ سے جو روایت منقول ہے' اس میں آپ فرماتے ہیں: قال، ھی خاصہ فی الرجال دون النساء قیل فالنساء یستاذن فی ھذہ الثلاث ساعات؟ قال لا ولکن یدخلن و یخرجن۔[1]

یعنی تین مواقع پر طلب اجازت کا دستور مردوں سے مخصوص ہے۔ پوچھا گیا کہ کیا عورتوں کے لیے اجازت ضروری ہے؟ فرمایا نہیں۔ یہ اسی طرح آتی اور جاتی رہیں گی۔

غلاموں کا ان تین مواقع سے ہٹ کر عورت کے کمرے میں داخل ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ غلام استثنائی کیفیت کے حامل ہیں اور یہ خود اس کو ظاہر کرتی ہے کہ "ما ملکت ایمانھن" کے جملے میں غلام بھی شامل ہیں اور ہم پردے کی آیت میں پہلے بھی عرض کر چکے ہیں۔ اب اس آیت میں بھی (ضمیر مذکور کے ساتھ) "ملکت ایمانکم" سے تعبیر ہوئی ہے۔ گویا یہ ضروری نہیں کہ غلام خود عورت کا مملوک ہو۔

یہاں یہ اعتراض نہیں اٹھانا چاہیے کہ اب تو غلامی کی رسم منسوخ ہو چکی ہے اور ان بحثوں میں الجھنا بے سود و بے ثمر ہے' اس لیے کہ اولاً ان مسائل میں اسلام کا نقطۂ نظر مجموعی طور پر ہمیں اسلامی قوانین سے آشنا کرتا ہے۔ ان میں ایسے قوانین بھی ہیں جو بحث و تکرار کی منزل میں ہیں اور ثانیاً" اگر کوئی جرأت مند فقیہ اقدام کرے تو ممکن ہے غلاموں کے حکم کو ملکیت کی راہ سے مشابہت کی بنا پر ملازموں کی طرف موڑ دے۔

---

[1] کافی۔ جلد ۵۔ صفحہ ۵۲۹

۲۔ "طوافون علیکم بعضکم علٰی بعض" کے جملے سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ غلاموں اور نابالغ بچوں کو طلب اذن سے چھوٹ ان کی کثرت آمدو رفت کی بنا پر ہے کہ بار بار کا استیذان کام میں حرج اور تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔

درحقیقت ان موارد میں استثناء کا سبب یہی ہے کہ یہاں پابندی دشواری کا سبب ہوتی ہے۔ اس میں ملکیت کا کوئی دخل نہیں۔

ہمارے خیال میں چہرہ، ہتھیلیاں اور پردے سے متعلق تمام استثناءات اور اسی طرح استثناء محارم بھی اسی زمرہ میں ہیں۔ اس موضوع پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے مگر ہم جلد ہی زیادہ وضاحت سے اس کی تشریح کریں گے۔

۳۔ اس آیت میں دوسرے بالغ مردوں کی طرح تین وقتوں میں اجازت طلب کرنے پر مکلف کیے گئے وہ بچے ہیں جو ابھی حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں۔ اس بنا پر نابالغ اطفال، خواہ وہ سمجھدار اور سن بلوغ کے قریب ہی کیوں نہ ہوں آیت میں معین شدہ ان تین وقتوں کے علاوہ بغیر اجازت خلوت گاہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔

یہ آیت بظاہر اس بات پر دلیل بن سکتی ہے کہ پردے سے متعلق آیت میں "او الطفل الذین لم یظھروا علٰی عورات النساء" کے جملے سے مراد نا سمجھ نہیں بلکہ نابالغ بچے ہیں اور ہم نے پہلے بھی اس کے مفہوم میں دو احتمال پیش کیے ہیں۔

پردے کے مسئلہ سے متعلق پہلا اور دوسرا استثناء اسی سورہ کی آیت ۳۱ میں مذکور ہے۔ یہ تیسرا استثناء "والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحا فلیس علیھن جناح ....." کی آیت ہے۔ اس میں ارشاد ہوتا ہے:

وہ سن رسیدہ عورتیں جنہیں اب شادی کی کوئی امید نہیں ہے وہ اپنا برقع اتار سکتی ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کا مقصد خودنمائی اور خودآرائی نہ ہو لیکن اگر وہ اپنی پاکدامنی کا خیال رکھتے ہوئے پردہ کی رعایت کریں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور خداوند عالم سننے اور جاننے والا ہے۔

"قواعد" سے مراد کون ہیں؟ وہ ضعیف عورتیں جو جنسی اعتبار سے مرد کی مطلوب نظر نہیں ہوتیں اور اسی لیے انہیں اپنی شادی کی امید نہیں رہتی۔ ممکن ہے ان میں شادی کی طمع باقی ہو مگر امید نہیں "ان یضعن ثیابھن" کا جملہ بتاتا ہے کہ عورت کے دو لباس ہیں۔ ایک باہر جانے کا پہناوا اور دوسرے گھر کا لباس۔ سن رسیدہ عورت کو جس پہناوے کی چھوٹ دی گئی ہے وہ باہر جانے والا اوپری پہناوا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں خودنمائی اور خودآرائی کی اجازت نہیں ہے۔

اسلامی روایات میں بوڑھی عورتوں کے لیے ترک پردہ کے حدود متعین ہیں اور ان کے لیے سروں سے اپنی اوڑھنیاں ہٹانے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

الحلبی عن ابی عبد اللہ انہ قرا "ان یضعن ثیابھن" قال: الخمار والجلباب۔ قلت بین یدی من کان؟ فقال: بین یدی من کان غیر متبرجہ بزینہ۔ فان لم تفعل فھو اخیر لھا۔[1]

عبداللہ حلبی کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "ان یضعن ثیابھن" سے مراد اوڑھنی یا دوپٹہ ہے۔

میں نے عرض کی خواہ کسی کے سامنے کیوں نہ ہو؟ فرمایا ہاں! کسی کے

---

[1] کافی جلد ۵۔ صفحہ ۵۲۲۔ وسائل جلد ۳۔ صفحات ۲۵۔۲۶

سامنے کیوں نہ ہو مگر اس شرط کے ساتھ کہ سادگی کے ساتھ ہو اور خود نمائی اور خود آرائی نہ کرنا چاہیے۔

"وان یستعففن خیر لھن" کے جملے سے ایک کلی قانون کو استنباط کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ احکام اسلام کی رو سے عورت پردے کی جس قدر مراعات کرے وہ زیادہ بہتر اور زیادہ پسندیدہ متصور ہو گا اور چہرے اور ہتھیلیوں کو پوشیدہ نہ رکھنے سے متعلق چھوٹ کو جو ضرورت کے تحت از روئے تسہیل دی گئی ہے اس کے تحت کہیں مذکورہ کلی قانون کو فراموش نہ کر دے۔

ازواج پیغمبرؐ

بنیادی طور پر پردہ سے متعلق وہی سورۂ نور کی آیتیں تھیں جنہیں ہم بیان کر چکے ہیں۔ سورۂ احزاب کی بھی چند آیتیں ہیں جنہیں اس موضوع کے حاشیے میں ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ان آیتوں میں سے کچھ آیات ازواجِ رسولؐ سے متعلق ہیں اور کچھ کا تعلق ان احکامات سے ہے جو پاکدامنی اور پرہیزگاری کے تحفظ میں وارد ہوئی ہیں۔

اب ہم پہلے ان آیتوں کو پیش کرتے ہیں جو ازواجِ رسولؐ سے متعلق ہیں:

"یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی ......

(سورۂ احزاب۔ آیات ۳۲-۳۳)

ان دو آیتوں میں ازواج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے:

"اے رسولؐ کی بیبیو! تم دوسری عورتوں کی مانند نہیں ہو۔
پس اگر تم کو پرہیزگاری منظور ہے تو (کسی اجنبی) سے نرم
زبان میں گفتگو نہ کرو کہ جس سے بیمار دل افراد لالچ میں پڑ جائیں
بس شائستگی کے ساتھ صاف صاف گفتگو کیا کرو اور اپنے
گھروں میں بیٹھی رہو اور قدیم دور جاہلیت کی طرح خود نمائی
اور خود آرائی کی کیفیت کے ساتھ باہر نہ نکلا کرو۔"

اس حکم سے ازواج پیغمبرؐ کو گھر میں مقید بنا کر رکھنا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ تاریخ اسلام اس پر گواہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کے دوران ازواج کو بھی اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے اور انہیں باہر نکلنے سے منع نہیں فرماتے تھے۔ اس حکم سے مراد یہ ہے کہ عورت بغرض خود نمائی گھر سے باہر نہ نکلے' اور خاص طور پر ازواج پیغمبرؐ کے بارے میں یہ ذمہ داری زیادہ شدید اور سخت ہے۔ سورۂ احزاب میں ارشاد ہوتا ہے:

سورۂ احزاب کی آیت ۵۳، کی تشریح

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ
إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ
إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ
فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ

يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا۔

بے پروا عرب مسلمان کسی بات کا خیال کیے بغیر بے دھڑک رسولؐ خدا کے گھروں میں گھس جایا کرتے تھے جہاں آپ کی ازواج بھی تشریف رکھتی تھیں۔ آیت نازل ہوئی کہ اولاً تو بلا اطلاع اور بلا اجازت پیغمبرؐ کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش ہی نہ کرو اور اگر تمہیں دعوت پر بلایا گیا ہے تو ایسے وقت نہ آؤ کہ کھانا ملنے کے منتظر رہو بلکہ عین وقت پہ آؤ اور جیسے ہی کھانے سے فراغت حاصل کرو فوراً منتشر ہو جاؤ اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں نہ لگ جایا کرو کیونکہ یہ باتیں پیغمبرؐ کی زحمت کا باعث بنتی ہیں۔ انہیں شرم محسوس ہوتی ہے کہ تمہیں چلے جانے کو کہیں لیکن اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا اور ثانیاً جب تم ازواج رسولؐ سے کچھ لینا چاہو تو تمہیں چاہیے کہ گھر میں داخل ہوئے بغیر پس پردہ رہ کر ان سے طلب کرو۔ یہ طریقہ تمہارے اور ان کے قلوب کی پاکیزگی کے لیے بہتر ہے۔ تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم رسولؐ اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ تم ان کی ازواج سے ان کے بعد نکاح کرو۔ بے شک اللہ کے نزدیک یہ بات بہت بڑی برائی ہے۔

اس آیت میں لفظ "حجاب" استعمال ہوا ہے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ قدماء کے ہاں جہاں کہیں بھی آیۂ حجاب کی گفتگو ہوئی ہے اس سے ان کی مراد یہی آیت رہی ہے۔ اس آیت میں موجود دستور حجاب پردے کے اس

حکم سے مختلف ہے جو ہمارا موضوعِ بحث ہے۔

اس آیت میں ذکر شدہ دستور اس طرزِ عمل سے متعلق ہے جو انسان کو دوسروں کے گھروں کے لیے اختیار کرنا چاہیے۔ اس کے مطابق مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عورتوں کی رہائش گاہ میں داخل ہو بلکہ اگر اسے کسی چیز کی ضرورت بھی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ پسِ دیوار کھڑے ہو کر اسے طلب کرے۔ اس مسئلہ کا پردے کی بحث سے کوئی ربط نہیں ہے کہ جسے اصطلاحِ فقہ میں "حجاب" نہیں بلکہ "ستر" کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔

"ذالکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن" کا جملہ سورۂ نور کی ۶۱ ویں آیت "وان یستعففن خیر لھن" کی طرح اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مرد اور عورت جس قدر زیادہ ستر پوشی اور پردے کا خیال رکھیں اور آپس کے میل جول سے اجتناب کریں اسی قدر تقویٰ اور پاکیزگی سے قریب ہوں گے اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں ان رخصتوں، رعایتوں اور سہولتوں کو جو مذہب نے ضرورتاً ہمیں دی ہیں ستر پوشی، پردے اور ترکِ نظر سے بے توجہی کا سبب نہیں بننا چاہیے۔

تحفظِ عصمت

سورۂ احزاب کی آیات ۵۹-۶۰ میں ارشاد ہوتا ہے:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط ذٰلِكَ أَدْنٰى أَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ

وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۔

"اے نبی! تم اپنی ازواج، اپنی بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہدو کروہ اپنے جلابیب (سر کی چادروں) کو اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں۔ یہ عمل ان کی شناخت نیز ان کے اذیت سے بچنے کے لیے مناسب ہے اور خداوند عالم تو بڑا بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔

اگر منافق، بے ایمان اور وہ لوگ کہ جو شہر میں خوف و ہراس پیدا کرتے ہیں اپنی کرتوتوں سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں ان پر مسلط کر دیں گے۔ پھر وہ تمہاری ہمسائیگی میں بہت کم مدت تک رہیں گے۔"

اس آیت میں دو باتوں پر توجہ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ "جلباب" کیا ہے اور اسے اوڑھ لینے کا کیا مطلب ہے؟ اور دوسرے یہ کہ اس دستور کی علت اور فائدے کے عنوان سے جو بات کہی گئی ہے کہ "یہ بات شناخت اور اذیت سے بچنے کے لیے مناسب ہے" اس کا مفہوم کیا ہے؟

پہلی بات: اس باب میں کہ جلباب کس قسم کے لباس کو کہا جاتا ہے، مفسرین اور لغت کا علم رکھنے والے افراد کی رائے مختلف ہے اور اس بارے میں صحیح مفہوم کا تعین بہت مشکل ہے۔

صاحبِ "المنجد" لکھتے ہیں: "القمیص او الثوب الواسع" یعنی جلباب ایک کھلا ہوا لباس یا پیراہن ہے۔

"مفردات راغب" میں جو قرآن کی شرح لغات سے متعلق بڑی معتبر اور موثق کتاب ہے لکھا ہے: "الجلابیب ۔ القمص والخمر" یعنی قمیص اور اوڑھنی۔

قاموس کہتا ہے: والجلباب کسرداب وسنمار: القمیص وثوب واسع للمرأۃ دون الملحفۃ او ما تغطی به ثیابها من فوق کالملحفۃ، او هو الخمار

یعنی جلباب عبارت ہے قمیص اور ایک بڑے اور کشادہ جامے سے جو لحاف سے کسی قدر چھوٹا یا خود (چادر کی طرح کا) پتلا لحاف ہوتا ہے جس کے ذریعے عورت اپنی پوشاک ڈھانپتی ہے یا پھر اوڑھنی۔

صاحب لسان العرب لکھتا ہے: الجلباب ثوب اوسع من الخمار دون الرداء تغطی به المرأۃ راسها وصدرها

یعنی جلباب اوڑھنی سے بڑا اور عبا سے چھوٹا ایک لباس ہے جس سے عورت اپنے سر اور سینہ کو چھپاتی ہے۔

کشاف کی عبارت بھی اس مفہوم سے قریب ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں جہاں اس لفظ کا مفہوم پیش کیا گیا ہے لکھا ہے:

الجلباب خمار المرأۃ الذی یغطی راسها ووجهها اذا خرجت لحاجۃ

جلباب سر کی اس چادر سے عبارت ہے جس سے خواتین گھر سے نکلتے وقت اپنے سر اور چہرے کو ڈھانپتی ہیں۔

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں کہتے ہیں

ای قل لهولاء فلیسترن موضع الجیب بالجلباب وهو الملاءۃ التی تشتمل بها المرأۃ

عورت جو چادر اوڑھتی ہے اس سے اپنا گریبان بھی پوشیدہ رکھے۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

اور کہا گیا ہے کہ جلباب اوڑھنی سے عبارت ہے اور آیت کا مقصد یہ ہے کہ آزاد عورتیں گھر سے باہر نکلتے وقت اپنے سروں اور پیشانیوں کو ڈھانپ لیں۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا مفسروں کی آراء سے جلباب کا مفہوم چنداں واضح نہیں اور جو بات صحیح دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ لفظ جلباب میں ہر قسم کا وسیع وکشادہ لباس شامل ہے لیکن غالباً یہ لفظ سر کی ان چادروں کے لیے استعمال ہوا ہے جو اوڑھنیوں سے بڑی اور رداسے چھوٹی رہی ہیں۔ ضمناً معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں میں دو طرح کی چادروں کا رواج رہا ہے۔ ایک چھوٹی چادریں جو گھر میں استعمال ہوتی تھیں جنہیں خمار یا مقنعہ کہا جاتا تھا اور دوسری بڑی چادریں (جلباب) جو باہر کے استعمال کے لیے ہوا کرتی تھیں۔ یہ مفہوم ان روایتوں سے بھی مطابقت رکھتا ہے جن میں لفظ جلباب آیا ہے، جیسے عبید اللہ حلبی کی روایت جسے ہم سورۂ نور کی ۶۱ آیت کی تفسیر میں نقل کر چکے ہیں، جس کا مضمون یہ تھا: سن رسیدہ عورتوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے "خمار" اور "جلباب" سے کنارہ کرلیں۔ ان کے بالوں پر نگاہ پڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس جملے میں معلوم ہوتا ہے کہ جلباب اس جامہ کا نام ہے جس سے سر کے بال چھپائے جاتے ہیں۔

اسی طرح اس آیت سے متعلق کافی[1] کی دیگر روایتوں میں امام جعفر صادقؑ

---

[1] کافی جلد ۵۔ صفحہ ۵۲۲

سے وارد ہوا ہے " الخمار والجلباب اذا کانت المس ثمۃ مسنۃ " یعنی جب عورت سن رسیدہ ہو جائے تو اس کے لیے ترک چادر جائز ہے۔

اس بنا پر جلباب کو اپنے سے قریب کرنے کا مقصد اس کو اوڑھنا ہے۔ یعنی جب عورتیں گھر سے باہر نکلنا چاہیں تو اپنی بڑی چادروں کو اپنے ہمراہ رکھیں۔ البتہ کسی چیز کو اپنے سے نزدیک کر لینے کے لغوی معنے اس کا پہننا نہیں ہے بلکہ موارد سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ جب کسی عورت سے یہ کہا جاتا ہے کہ اپنے لباس کو اپنے سے قریب کرلو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے نہ چھوڑو اسے سمیٹ کر ایک طرف نہ رکھو، اسے بے اثر اور بے خاصیت نہ جانو اور اپنے آپ کو اس سے ڈھانپ لو۔

عورتوں میں بڑی چادر کا استعمال دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک عادتاً اور رسماً جو آجکل دکھائی دیتا ہے اس چادر سے بدن کا کوئی حصہ نہیں چھپتا۔ اسے یونہی کاندھوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ چادر اوڑھنے کا انداز ہی یہ بتا دیتا ہے کہ انہیں غیر مردوں سے کوئی پرہیز نہیں اور یہ بھی پروا نہیں کہ نامحرم نظریں ان کا بھرپور جائزہ لے رہی ہیں۔ چادر پوشی کا دوسرا طریقہ اس کے برعکس ہے۔ عورت چادر کو اپنے گرد اس طرح اوڑھتی ہے کہ دیکھنے والوں کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک باعصمت خاتون جا رہی ہے۔ یہ بات خود بخود مردوں کو ان سے دور رکھنے کا سبب ہوتی ہے اور دل میں خباثت رکھنے والوں کو مایوس کرتی ہے۔ ہم بعد میں یہ بتائیں گے کہ اس جملے کے ذیل میں جو تعلیل ہے وہ اسی مفہوم کی تائید کرتی ہے۔

اور اب دوسری بات جو اس دستور کی علت اور فائدے کی بحث میں ہے:
مفسرین کہتے ہیں: منافقوں کی ایک ٹولی شام ڈھلے گلیوں اور سڑکوں پر کنیزوں کو چھیڑا کرتی تھی، البتہ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کنیزوں کے لیے

سر کا ڈھانکنا واجب نہیں رہا ہے۔ کبھی کبھی مزاحمت پیدا کرنے والے یہ بدقماش نوجوان آزاد عورتوں پر بھی آوازے کستے اور بعد میں ظاہر کرتے کہ ان سے نادانستہ طور پر کنیز کے دھوکے میں یہ غلطی سرزد ہوئی ہے لہذا آزاد عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ جلباب کے بغیر یعنی مکمل لباس کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلیں تاکہ کنیزوں سے ان کی تخصیص میں آسانی ہو اور وہ مزاحمت سے بچی رہیں۔

مذکورہ بیان میں گنجائش اعتراض ہے کیونکہ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کنیزوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور منافقوں نے اس کو اپنے لیے ایک قابل قبول عذر سمجھ کر پیش کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگرچہ کنیزوں پر بالوں کا ڈھانکنا واجب نہیں ہے اور شاید اس راز کا سبب یہ ہو کہ کنیزوں کا سراپا عام طور پر کسی جاذبیت کا حامل نہیں ہوتا اور پھر ان کے کام کی نوعیت اس پابندی کی اجازت نہیں دیتی۔ نیز ہم پہلے اس کیفیت کو بیان کر چکے ہیں لیکن بہرحال ایسا نہیں ہے کہ کنیزوں کے باب میں یہ دست اندازیاں گناہ نہ سمجھی جاتی ہوں اور منافق اس بات کو اپنے لیے عذر کے طور پر پیش کریں۔

اس جملے کے مفہوم میں جو دوسرا احتمال پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب عورت اپنے آپ کو ڈھانپ کر باوقار طریقے سے باہر نکلے اور اپنی عصمت اور پاکدامنی کو ملحوظ خاطر رکھے تو بدقماش افراد کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس سے کوئی زیادتی کریں۔

پہلے احتمال کی بنا پر "ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ" کا مفہوم یہ ہے کہ اس طرح ان کی پہچان ہو جائے گی کہ وہ آزاد عورتیں ہیں، کنیزیں نہیں اور یوں انہیں نوجوانوں کی چھیڑ چھاڑ سے چھٹکارا ملے گا لیکن دوسرے احتمال کی بنا پر اس جملے کا مفہوم یہ ہو گا کہ اس طرح وہ پہچانی جائیں گی کہ ان کا

شمار باعصمت عورتوں میں ہے اور بدکردار افراد ان پر ہوس کی نگاہ نہیں ڈالیں گے۔

اس آیت میں پردے کے حدود بیان نہیں ہوئے ہیں لہٰذا اس سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ چہرے کا چھپانا ضروری ہے یا نہیں؟ پردے کے حدود کو متعین کرنے والی آیت سورۂ نور کی ۳۱ ویں آیت ہے اور اس کے بارے میں پہلے گفتگو ہوچکی ہے۔

اس آیت سے جو مفہوم مستفاد ہوتا ہے وہ ایک جاودانی حقیقت بھی ہے کہ مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ لوگوں میں اس طرح آمد و رفت کریں کہ اس سے ان کی عصمت' وقار' دبدبہ اور پاکیزگی کے علامات ظاہر ہوں اور وہ ان خصوصیتوں کے ساتھ پہچانی جائیں۔ ایسی حالت میں وہ بدنہاد افراد جو ہمیشہ شکار کی تلاش میں رہتے ہیں ان سے مایوس ہوجائیں گے اور وہ ان سے حصول مطلب کے متعلق سوچ بھی نہ سکیں گے۔ اکثر و بیشتر دیکھنے میں آتا ہے کہ آوارہ نوجوان ہمیشہ ایسی عورتوں کے تعاقب میں رہتے ہیں جو بے پردہ اور عشوہ گر ہوتی ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ انہیں تنگ کرنے سے باز کیوں نہیں آتے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ اگر ہماری چھیڑ چھاڑ انہیں پسند نہیں تو وہ اس کیفیت کے ساتھ گھر سے کیوں نکلتی ہیں۔

اس آیت میں آنے والا حکم اس دستور کی طرح ہے جو اس سورہ کی آیت ۳۲ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازواج کے بارے میں وارد ہوا ہے: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ۔ یعنی بات کرنے میں وہ انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے دل انداز افراد میں طمع اور تحریص پیدا ہو۔ اس حکم میں انداز سخن کی وہ کیفیت بیان کی گئی ہے جو وقار و عصمت کی آئینہ دار ہو جبکہ ہماری زیر بحث آیت' آمد و رفت میں وقار کے دستور سے متعلق ہے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ انسان کی حرکات و سکنات بعض اوقات گویائی رکھتی ہے۔ کبھی عورت کی پوشاک اس کے چلنے اور بات کرنے کا انداز معنی خیز ہوا کرتا ہے جو زبان بے زبانی سے کہتا ہے۔ اپنا دل مجھے دے، میری تمنا میں رہ، میرا پیچھا کر وغیرہ، اور کبھی اس کے برعکس حرکات و سکنات ظاہر کرتے ہیں کہ یہاں دال گلنے والی نہیں۔

بہرحال اس آیت سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہی ہے جو بیان کی گئی ہے۔ اس میں پردے سے متعلق کسی خاص کیفیت کا تذکرہ نہیں ہے۔ پردے کی کیفیت صرف سورۂ نور کی آیت ۳۱ میں مذکور ہے۔ اس بیان کے پیش نظر کہ یہ سورۂ نور کی اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ "يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ" سے مراد یہ ہے کہ اس آیت پر عمل کرنے کے علاوہ سورۂ نور میں دیئے گئے حکم کی بھی مکمل پابندی کی جائے تاکہ موذی افراد کے شر سے محفوظ رہا جاسکے۔

اس سے پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۔" یعنی وہ لوگ جو بلا سبب ایماندار مردوں اور عورتوں کی تکلیف کا سامان فراہم کرتے ہیں وہ بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لیتے ہیں۔ یہ آیت ضمنی طور پر ان لوگوں کی مذمت کرتی ہے جو مسلمان مردوں اور عورتوں کو اذیت پہنچاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی بلافصل عورتوں کو حکم دیتی ہے کہ وہ اپنے چال چلن میں وقار اور سنجیدگی کا لحاظ رکھیں تاکہ موذی افراد کے آزار سے محفوظ رہیں۔ اس آیت پر توجہ دینے سے زیر بحث آیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اکثر مفسرین نے يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ کے جملے سے

سے چہرے کا چھپانا مراد لیا ہے یعنی اس جملہ کو چہرے کے چھپانے کے لیے ایک کنایہ سمجھا ہے۔ مفسرین کو یہ بات تسلیم ہے کہ " یدنین " کا اصلی مفہوم چھپانا نہیں ہے لیکن چونکہ ان کے فہم میں یہ بات ہے کہ یہ حکم کنیزوں کے مقابل آزاد عورتوں کی پہچان سے متعلق ہے اس لیے انہوں نے اس کی یوں تعبیر کی ہے لیکن ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ یہ تفسیر درست نہیں ہے اور کسی طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کریم نے فقط آزاد عورتوں کو مورد عنایت قرار دیا ہے اور کنیزوں کے آزار سے چشم پوشی کی ہے۔ جو بات زیادہ تعجب خیز دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ جن مفسروں نے یہاں اس طرح گفتگو کی ہے غالباً انہوں نے ہی سورۂ نور کی تفسیر میں کمال صراحت کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں ہے اور اس میں علامہ زمخشری اور فخرالدین رازی بھی شامل ہیں۔ یہ کیسے ہوا کہ مفسرین نے اپنی گفتگو کے تناقض کی طرف توجہ نہیں کی اور سورۂ نور کی مذکورہ آیت کی منسوخیت کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان مفسرین کے نزدیک سورۂ نور اور سورۂ احزاب کی آیتوں میں تناقض نہیں ہے۔ یہ لوگ سورۂ نور کی آیت کو ایک کلی اور دائمی دستور کی حیثیت سے جانتے ہیں، خواہ عورتوں کے لیے مزاحمت کی کوئی بات ہو یا نہ ہو لیکن سورۂ احزاب کی آیت ان کے نزدیک ان آزاد یا مطلق عورتوں کے لیے مخصوص ہے جو آوارہ لوگوں کی مزاحمت سے دوچار ہیں۔

زیر بحث آیت سے یہیں ایک یہ نکتہ بھی ملتا ہے کہ وہ لوگ جو گلی کوچوں میں خواتین کی زحمت کا سبب بنتے ہیں قانون اسلام کی رو سے شدید سزا کے مستحق ہیں۔ صرف تھانے لے جانا یا سر کے بال مونڈ دینا ان کے لیے کافی نہیں

ہے۔ قرآن کہتا ہے: لئن لم ینتہ المنٰفقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلا یعنی اگر، لوگ اپنی بری حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں ان پر حملہ کرنے کا حکم دیں گے اور سوائے چند ایک کے کوئی تمہاری پناہ میں نہیں ہو گا۔ کم سے کم جو بات اس آیت سے ظاہر ہوتی ہے وہ پاکیزہ اسلامی معاشرے سے ان کی جلا وطنی ہے۔ معاشرہ جتنی پاکیزگی اور عفت و عصمت کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے، اسی قدر بدعنوان افراد اس کی نظر میں شدید سزاؤں کے مستحق ہوتے ہیں۔

پردے کے حدود

تبصرہ: اب ہم فقہی نقطہ نظر سے تمام موافق و مخالف دلائل کو سامنے رکھ کر ان حدود کے بارے میں تبصرہ کرنا چاہتے ہیں جنہیں اسلام نے پردے کے لیے معین کیا ہے۔

ہم بار دیگر اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری گفتگو محض علمی پہلو کی حامل ہے اور اس میں فتوے کا عمل دخل نہیں ہے۔ میں صرف اپنا نظریہ پیش کر رہا ہوں۔ تاہم ہر شخص کو چاہیے کہ اس مجتہد کے فتوے پر عمل کرے کہ عملاً وہ جس کی تقلید میں ہے۔

سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم ان مفاہیم کو پیش کریں جو اسلامی فقہ کی رو سے قطعی اور مسلم ہیں اور اس کے بعد ان مطالب کی طرف آئیں جو اختلافی اور قابل بحث ہیں۔

۱۔ عورت کو چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا اپنے آپ کو ڈھانپنا ضروری ہے، اس میں اسلامی فقہ کی رو سے کوئی تردید نہیں پائی جاتی۔ یہ بات ضروریات

اور مسلمات میں سے ہے اور اس بارے میں قرآن، حدیث اور مذہبی فتاویٰ کی رو سے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جو بات زیر بحث ہے وہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کا چھپانا ہے۔

۲۔ پردے کے وجوب اور عورت پر حرمت نگاہ کے مسئلہ کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا ضروری ہے۔ ممکن ہے کوئی چہرے اور ہتھیلیوں کو چھپانے کے عدم وجوب کا قائل ہو اور ساتھ ہی مرد کے لیے حرمت نگاہ کا بھی معتقد ہو۔ یہ بات پیش نظر نہیں ہونی چاہیے کہ ان دونوں مسئلوں میں کوئی تلازم ہے۔ جیسا کہ فقہی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ مرد پر واجب نہیں ہے کہ وہ اپنا سر ڈھانپے مگر یہ بات عورت کے لیے اس امر کی دلیل نہیں بن سکتی کہ اس کے لیے مرد کے سر اور بدن پر نگاہ ڈالنا جائز ہے۔

جی ہاں اگر ہم نگاہ ڈالنے کے مسئلے میں جواز کے قائل ہوں تو پردے کے مسئلے میں بھی ہمیں عدم وجوب کا قائل ہونا پڑے گا کیونکہ یہ بات دور از فہم ہے کہ عورت کے چہرے اور ہاتھوں پر مرد کی نگاہ جائز ہو مگر ان حصوں کا کھلا رکھنا عورت پر حرام ہو۔ یہ بات ہم بعد میں نقل کریں گے کہ گزشتہ ادوار میں صاحبان فتویٰ کے درمیان ایسا کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا جو چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کے چھپانے کے وجوب کا قائل ہو لیکن ہیں ایسے لوگ کہ جو ان پر نگاہ ڈالنے کو حرام جانتے ہیں۔

۳۔ جواز نگاہ کے مسئلہ میں البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر وہ حرص و ہوس کی نگاہ ہو تو پھر وہ حرام ہے۔ "ریبہ" میں مقصد نگاہ لذت اندوزی نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ناظر اور منظور الیہ کی

کیفیت مجموعی طور پر خطرہ کی حامل ہوتی ہے اور اس میں خدشہ یہ ہے کہ کہیں ان سے لغزش رونما نہ ہو جائے۔

یہ دو طرح کی نگاہیں مطلقاً حرام ہیں حتیٰ کہ محارم کے باب میں بھی اگر اس میں استثناء ہے تو صرف ایسی نگاہ میں جو رشتہ طے کرنے کے لیے ہو۔ یہاں اگر تلذذ بھی پایا جائے تو جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مقصد واقعی گھر بسانا ہو یعنی وہ حقیقتاً شادی کی خاطر لڑکی کو دیکھے اور دیگر تمام پسندیدہ خصوصیات کے اعتبار سے وہ اس کا انتخاب کر چکا ہو' نہ یہ کہ شادی کو بہانہ بنانا مقصود ہو۔ الٰہی قانون بشری قانون کی طرح نہیں ہے کہ حیلہ سازی سے اپنے آپ کو مطمئن کر لیا جائے۔ یہاں انسان کا ضمیر حاکم اور خداوند عالم محاسب ہے کہ جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ حقیقتاً یہاں کوئی استثناء نہیں کیونکہ جو چیز مطلقاً حرام ہے وہ بقصد تلذذ دیکھنا ہے اور جس بات میں کوئی دھڑکا نہیں وہ بقصد تلذذ نہ دیکھنا ہے' مگر یہ کہ تلذذ بلا ارادہ پیدا ہو جائے۔

فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ کسی لڑکی کے انتخاب کے لیے خواتین کی ٹولی کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ جو بات جائز ہے وہ صرف مرد کا ایسی خاتون کو دیکھنا ہے جس کو اس کے لیے منتخب کیا گیا ہو اور وہ اس کے بارے میں فکرمند ہو اور اسے اس کے چہرے اور وضع قطع کے علاوہ کسی چیز میں تردد نہ ہو۔ بس وہ یہ دیکھنا چاہتا ہو کہ آیا چہرے کے اعتبار سے وہ اس کی خواہش کے مطابق ہے یا نہیں؟ بعض دیگر فقہاء نے اس موضوع کو بڑی احتیاط سے بیان کیا ہے۔

چہرہ اور کلائیوں تک

دونوں ہاتھ

پردے کے بارے میں ایک سیر حاصل گفتگو کے بعد اب چہرے اور کلائیوں تک ہاتھ پوشیدہ رکھنے کی بات رہ جاتی ہے۔

پردے میں چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھپانے کے مسئلہ میں دو مختلف فلسفے سامنے آتے ہیں۔ اگر ہم ان کے چھپانے کو واجب سمجھیں تو درحقیقت ہم اس فلسفے کے حق میں ہونگے جس میں عورت کو گوشہ نشین بنا دیا جاتا ہے اور وہ گھریلو ماحول اور سو فیصد عورتوں کے مخصوص حلقوں کے سوا کوئی کام نہیں کر سکتی۔

لیکن اگر ہم پورے بدن کو ڈھانپنا ضروری سمجھیں، تحریک آمیز بناؤ سنگھار کو حرام جانیں، مردوں کے لیے تیکھی اور لذت کی نگاہ کو ناجائز قرار دیں اور صرف چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے کھلا رکھنے کو واجب جانیں بشرطیکہ غیر معمولی اور بھڑکیلا سنگھار شامل حال نہ ہو تو پھر مسئلہ کی صورت کچھ اور ہو جاتی ہے اور ہم کسی اور فلسفے کے حامی بن جاتے ہیں۔ وہ فلسفہ یہ ہے کہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں دھکیل دینا مناسب نہیں ہے۔ یہ بات ضروری ہے کہ ہر طرح کی جنسی لذت گھر کے اندر محدود اور باہر کی فضا کو صاف ستھرا رہنا چاہیے۔ یعنی کان، آنکھ اور ہاتھ سے لذت اندوزی کو اپنے شریک حیات سے مختص رہنا چاہیے۔ اس طرح عورت ہر طرح کے اجتماعی امور میں حصہ لے سکتی ہے البتہ اس میں چند نکات ہیں:

۱۔ ہم فی الحال اس بحث میں نہیں پڑتے کہ آیا عورت کا اولین فرض گھرداری

ہے یا نہیں ؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم اس بات کے حامی ہیں کہ عورت کا اولین فرض خانہ داری اور حقوق مادری کی انجام دہی ہے۔

۲۔ بعض ایسے عہدے ہیں جن کے بارے میں گفتگو ایک جداگانہ صورت رکھتی ہے کہ کیا عورت قانون اسلام کی رو سے ان پر فائز ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ مثلاً سیاسی و عدالتی عہدے اور فتویٰ نویسی یا مرجعیت تقلید، آگے چل کر ہم ان کے بارے میں ایک الگ بحث کریں گے۔

۳۔ اجنبی مرد کے ساتھ خلوت یا تنہائی اشکال سے خالی نہیں اور شاید اکثر علماء کے نزدیک یہ عمل حرام ہو۔ فی الحال ہم اس طرح کے اجتماعی امور پر بھی گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔

۴۔ اسلام کی رو سے مرد گھر کا سرپرست ہے اور عورت اس دائرہ کا ایک حصہ ہے۔ اس بنا پر خانگی مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرد اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ عورت کو کسی کام کے انجام دینے سے منع کر دے۔

ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہرہ اور دونوں کلائیوں تک ہاتھوں کا چھپانا واجب ہو اور خاص طور پر چہرے کا چھپانا تو از خود عورت کی فعالیت اپنے گھر اور عورتوں سے متعلق خصوصی اجتماعات تک محدود ہو جائے گی لیکن اگر پورے چہرے کا ڈھانکنا واجب نہ ہو تو یہ محدودیت اور پابندی خود بخود لازم نہیں ہوگی۔

بہرحال پورے چہرے کو نہ چھپانے کی چھوٹ، حرمت یا جواز کے اعتبار سے بعض امور کے شرعی حکم کو واضح کرتی ہے۔ بہت سے ایسے امور ہیں جو فقہی اور شرعی نقطۂ نظر سے اور بالذات عورت پر حرام نہیں ہیں لیکن اگر چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کے چھپائے رکھنے کو ضروری سمجھا جائے تو وہ عورت پر حرام

ہو جائیں گے اس لیے کہ ان کی انجام دہی میں ان کے چھپائے جانے کی رعایت برقرار نہیں رہے گی لہٰذا عورت کے لیے ان امور کا جواز اور عدم جواز عورت کے چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپائے جانے یا نہ چھپائے جانے پر منحصر ہو گا۔ ہم ذیل میں ان امور سے متعلق بعض نمونے پیش کرتے ہیں:

۱۔ کیا عورت کے لیے کار چلانا جائز ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ اس امر میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ عورت اپنے اوپر واجب احکام کی پابندی کرتی ہے یا نہیں؟ اگر چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب ہو تو یہ کہنا پڑے گا کہ عورت کے لیے کار چلانا جائز نہیں۔

۲۔ کیا گھر سے باہر اشیائے صرف کی فروخت عورت کے لیے جائز ہے؟

البتہ یہاں اس فروخت کی گفتگو نہیں ہے جو فی زمانہ رائج ہے اور جو سراسر دھوکا اور فریب ہے۔

۳۔ کیا عورت کے لیے دفتری امور جائز ہیں یا نہیں؟

کیا عورت کو تدریس کا حق حاصل ہے خواہ اس کے محضر درس میں مرد بھی شامل ہوں؟ یا پھر اسے مرد اساتذہ کی جماعتوں میں تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

اگر ہم یہ کہیں کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا ضروری نہیں اور مرد بھی حرص اور لذت سے عاری نگاہوں سے عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھ سکتے ہیں تو اس صورت میں مذکورہ امور کے بارے میں ہمارا جواب مثبت ہو گا ورنہ منفی۔

مختصر یہ کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ عورت کی پابندی اور آزادی کی سرحد

ہیں۔ پردے کے بارے میں مخالفین کے اعتراضات بھی اسی کیفیت سے وابستہ ہیں جبکہ ہم چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کا پردہ ضروری جانیں لیکن اگر ہم چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کے چھپانے کو واجب نہ جانیں تو پھر باقی بدن کے چھپانے کو واجب نہ جانیں تو پھر باقی بدن کے چھپانے پر کوئی اعتراض عاید نہیں ہوگا بلکہ اس کے برعکس مخالف سمت پر اعتراض وارد ہوگا۔

اگر عورت کو بیماری لاحق نہ ہو اور وہ عریاں حالت میں باہر نہ آنا چاہے تو ایک ایسا سادہ لباس جو اس کے چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے سوا تمام سر، گردن اور بدن کو ڈھک دے اسے کسی بیرونی کام کی انجام دہی سے نہیں روکتا بلکہ اس کے برعکس تصنع، بناوٹ، خود نمائی، تنگ و چست اور رنگ برنگے نئے فیشن کے لباس عورت کو ایک فضول اور غیر فعال جسم میں بدل دیتے ہیں اور اس کا تمام وقت اپنی آرائش کے تحفظ میں گزر جاتا ہے جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ہم نے قدیم مفسرین کی آراء بیان کی ہیں، اسی طرح ہم اس بات کی بھی وضاحت کریں گے کہ پردے میں چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا استثناء اس لیے ہے کہ عورت معاشرے میں انسانی حیثیت سے سرگرم عمل رہ سکے اور اس بنیاد پر اسلام نے ان کا چھپانا واجب قرار نہیں دیا ہے۔ اب ہم اس مسئلہ میں موافق اور مخالف دلائل کو تحقیق کی منزل پر لاتے ہیں۔

موافق دلائل

موافق دلیلوں کے تحت یہ کہا جا سکتا ہے کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں ہے:

۱۔ پردے سے متعلق سورۂ نور کی آیت ۳۱ جس میں اس کے حدود بتائے

گئے ہیں۔ یہ آیت چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپانے کو ضروری نہیں جانتی۔ اس آیت کے دو جملوں کو بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایک " وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا " اور دوسرے " وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ " کا جملہ۔

پہلے جملے کے بارے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اکثر مفسرین اور بالعموم روایات نے مہندی، سرمہ، انگوٹھی اور کڑے وغیرہ کو " اِلَّا مَا ظَهَرَ " میں مستثنیٰ جانا ہے۔ یہ وہ سنگھار ہیں جو چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں سے متعلق ہیں۔ مہندی، انگوٹھی اور کڑے ہاتھوں کی زینت ہیں جبکہ سرمہ کا تعلق آنکھوں اور چہرے سے ہے۔

وہ لوگ جو چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کے چھپانے کو واجب گردانتے ہیں "الا ما ظهر" کا استثناء ان کے لیے بالائی لباس ہونا چاہیے اور استثناء کا یہ مفہوم بہت بعید اور قرآن کی بلاغت کے خلاف ہے۔ بالائی یا اوپری لباس کو چھپانا غیر ممکن ہونے کے سبب استثناء اس پر صادق نہیں آتا۔ اس کے علاوہ لباس کو اسی وقت زینت میں شمار کیا جا سکتا ہے جب بدن کا کوئی حصہ نمایاں ہو۔ مثلاً پردے سے بے نیاز عورتوں کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا لباس ان کی زینتوں میں سے ایک زینت ہے لیکن اگر عورت تمام بدن کو اوپر سے نیچے تک ایک ہی لباس سے ڈھانکے ہوئے ہو تو ہم اسے زینت نہیں کہہ سکتے۔

مختصر یہ کہ اس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت بدن کی زینت کے ایک حصے کو مستثنیٰ قرار دیتی ہے اور روایات کی صراحت بھی ہرگز قابل تردید نہیں ہے۔

دوسرے جملے کے بارے میں کہنا پڑے گا کہ آیت سینہ کے چھپانے کے

وجوب پر دلالت کرتی ہے اور چونکہ اس مقام پر حدود کے تعین کی گفتگو ہے لہذا اگر چہرے کا چھپانا ضروری ہوتا تو اس منزل پر اس کا تذکرہ بھی ضرور آتا۔

غور فرمائیں لفظ "خمار: اوڑھنی" بنیادی طور پر سر کو ڈھانکنے کے لیے وضع ہوا ہے۔ آیت میں اس لفظ کا استعمال یہ بتاتا ہے کہ عورت کے لیے اوڑھنی ضروری ہے اور ظاہر ہے اوڑھنی سر کے لیے ہوا کرتی ہے۔ ہاں البتہ یہ بات کہ اوڑھنی سے سر کے علاوہ بھی دوسرے حصوں کو ڈھانکنا ضروری ہے۔ یہ بتانا پڑے گا کہ چونکہ آیت میں اوڑھنی کے دونوں سروں کو گریبان پر ڈالنے کی گفتگو ہے لہذا پردے کی بس یہی مقدار ہمارے لیے واجب ہوگی۔

ممکن ہے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ "وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ" کے معنی یہ ہیں کہ اوڑھنی کو چہرے کے سامنے سے ایک پردہ کی صورت میں سینہ تک آویزاں کیا جائے۔

لیکن آیت کا یہ مفہوم کسی طرح بھی درست نہ ہوگا اس لیے کہ اول تو یہاں لفظ "جلباب" نہیں بلکہ "خمار" استعمال ہوا ہے۔ خمار چھوٹی چادر یا دوپٹہ کو کہا جاتا ہے جبکہ "جلباب" بڑی چادر سے عبارت ہے اور چھوٹی اوڑھنی کو اس طرح استعمال نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے تمام بال جو اس زمانے میں یقیناً بڑے ہوا کرتے تھے پوری طرح چھپ جائیں اور باقی حصہ اس طرح آویزاں ہو کہ اس سے گریبان اور سینہ چھپا رہے۔

ثانیاً آیت کا ارشاد ہے کہ اپنی اسی اوڑھنی سے یہ عمل انجام دو، ظاہر ہے کہ اگر وہ اس طرح اوڑھنیوں کو اپنے چہرے کے سامنے ڈالیں تو انہیں اپنے پیر کے سامنے کی چیز دکھائی نہیں دیتی اور ان کے لیے چلنا پھرنا دوبھر ہو جاتا۔ ان دنوں جالی دار دوپٹے کا وجود نہیں تھا جو اس کام کے لیے مفید ہوتا۔

اگر مقصد یہ ہوتا کہ حتمی طور پر دوپٹے چہرے کے سامنے لٹکائے جائیں تو کہا جاتا کہ ایسے دوپٹے بناؤ جو چہرے کا نقاب بھی ہوں اور اس سے تمہیں چلنے میں بھی آسانی ہو۔

ثالثاً "علیٰ" کے ساتھ "ضرب" کی ترکیب لٹکانے کے مفہوم کو ظاہر نہیں کرتی۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی اسے عرب ماہرین لغت و ادب کی زبانی نقل کر چکے ہیں۔ یہ ترکیب فقط اس مفہوم میں درست ہے جب کسی شئے کو بطور حائل کسی شئے پر قرار دیا جائے۔ مثلاً "فضربنا علیٰ اذانہم" کے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے انکے کانوں پر ایک حائل یا حجاب کو قرار دیا ہے۔ اسی طرح "وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ" کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں اور گریبانوں پر ایک حائل یا حجاب قرار دو۔ پس جہاں پردے کے حدود کی گفتگو آئی ہے وہاں ارشاد ہوتا ہے اپنے دوپٹوں یا اوڑھنیوں کے ساتھ اپنے سینوں اور گریبانوں پر ایک حجاب قائم کرو۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ چہرے پر حجاب ڈالنا واجب اور ضروری نہیں ہے۔

یہاں ایک اور نکتے کا اضافہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے مسلمان عورتیں کس کیفیت کے ساتھ اپنے دوپٹوں کو استعمال میں لاتی تھیں؟

تاریخی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ پردے کی آیت کے نزول سے پہلے مسلمان عورتیں عرب کے قدیم رواج کے مطابق اپنا چہرہ کھلا رکھتی تھیں اور جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ وہ دوپٹہ کو سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے کانوں کے عقب سے اپنی پشت کی طرف ڈالا کرتی تھیں جس کے نتیجے میں ان کے کان، گوشوارے، چہرہ، گردن اور گریبان سب پیش نظر رہتے تھے۔ ایسی حالت میں جب یہ حکم دیا گیا کہ اپنے سر کی چادر یا دوپٹہ کے سروں کو اپنے سینوں

پر لائیں تو اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ دوپٹہ کے دونوں سروں کو الٹی اور سیدھی جانب سے مخالف سمتوں میں سینوں پر ڈالا جائے۔ اس حکم پر عمل کرنے سے کان، بندے، گردن اور سینہ چھپ جاتے ہیں اور چہرہ کھلا رہ جاتا ہے۔

ہماری نظر میں زیر بحث آیت اسی مفہوم کو پیش کرتی ہے اور اس میں قطعاً کوئی شک اور تردید نہیں، اور جب ہم اس بات کی طرف توجہ دیں کہ آیت پردے کے حدود سے متعلق ہے اور اصولیین کی اصطلاح کے مطابق بیان کی منزل میں اہمال یا صرف نظر جائز نہیں تو یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ چہرے کا چھپانا واجب نہیں ہے۔

۲- بہت سے مقامات پر جہاں بطور مستقیم پردے یا نگاہ کے جواز اور عدم جواز کی گفتگو ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سائلین اور پیشوایان دین کے درمیان صرف بالوں ہی کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے اور چہرے کے متعلق کوئی گفتگو نہیں ہوتی۔ گویا چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ پردے کے حدود سے مستثنیٰ ہیں۔ ہم ذیل میں ان مقامات سے متعلق چند نمونوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

الف: سالی کے باب میں حرمت نگاہ

صحیح البزنطی عن الرضا(ع)، قال: سئلته عن الرجل یحل له ان ینظر الی شعر اخت امرأته؟ فقال: لا الا ان تکون من القواعد قلت له: اخت امرأته والغریبة سواء؟ قال: نعم، قلت: فما لی من النظر الیه منها؟ فقال شعرها وذراعها [1]

---

[1] وسائل۔ جلد ۳۔ صفحہ ۲۵

ترجمہ: امام رضا علیہ السلام کے عالی قدر صحابی احمد بن نصر بزنطی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنی سالی کے بالوں پر نگاہ ڈالے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں مگر یہ کہ وہ سن رسیدہ عورتوں میں سے ہو۔ میں نے عرض کی، پھر سالی اور غیر عورت اس مسئلہ میں ایک ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے پوچھا میں اس (سن رسیدہ) عورت کو کن حدود میں دیکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا، تم اس کے بالوں اور ذراع (یعنی انگلیوں اور کلائی تک کے حصے) کو دیکھ سکتے ہو۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس روایت کے پہلے سوال اور امام علیہ السلام کے آخری جواب میں جس چیز کا تذکرہ ہوا ہے وہ "بال" ہیں نہ "چہرہ"۔ اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ چہرے کا مستثنیٰ ہونا دونوں کے نزدیک مسلم رہا ہے اور یہ جگہ یہ احتمال پیدا نہیں ہوتا کہ مثلاً سن رسیدہ عورتوں کے باب میں آپ ان کے بالوں اور انگلیوں سے کلائی تک کے حصے کو دیکھ سکتے ہیں لیکن چہرے کو نہیں دیکھ سکتے، حالانکہ حدود نگاہ کے جواب میں چہرے کا تذکرہ نہیں ہوا ہے۔

(ب) کم سن بچے کے باب میں

ایضاً صحیح البزنطی عن الرضاؑ قال: یوخذ الغلام بالصلوٰۃ وھو ابن سبع سنین ولا تغطی المرأۃ منہ شعرھا حتی یحتلم[1]

---

[1] وسائل جلد ۲۔ صفحہ ۲۹

امام رضا علیہ السلام نے احمد بن ابی نصر بزنطی سے فرمایا: جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پر آمادہ کرنا چاہیے لیکن مرحلۂ بلوغ تک پہنچنے سے پہلے عورت پر لازم نہیں ہے کہ اس سے اپنے بالوں کو چھپائے۔ گویا نماز پر آمادہ کرنا عادت ڈالنے کے لیے ہے ورنہ بچہ سات سال کی عمر میں جوان مرد کا حکم نہیں رکھتا۔ یہاں بھی بالوں کو چھپانے کا مسئلہ درپیش ہے، چہرے کا نہیں۔ اسی مضمون سے متعلق دیگر روایتیں کثرت سے کتب حدیث میں ملتی ہیں۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ بالوں کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے کیونکہ یہاں بدن کا تذکرہ نہیں آیا ہے حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ بدن کا چھپانا بھی واجب ہے۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ چہرے کا چھپانا بھی واجب ہو اور اس کا تذکرہ نہ ہوا ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہرے کا چھپانا واجب ہوتا تو بات مناسب ہوتی کہ اسے بطور مثال پیش کیا جاتا۔ ہمارے یہاں پردہ چہرہ ڈھانپنے سے عبارت ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ کام کرنے میں جس حصہ کے کھلنے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں وہ چہرہ ہے اور جب اس کے چھپانے کی بات کی جائے تو پھر دوسرے حصوں کے چھپانے کا وجوب بدرجہ اولیٰ سمجھا جاسکتا ہے لیکن بدن کے دوسرے حصوں کا چھپانا عملاً مورد بحث نہیں رہا ہے اور اس کے جواز میں کوئی شک بھی نہیں پایا جاتا تھا کہ جس کے بارے میں سوال کیا جاتا۔

ج۔ باندی غلاموں کے باب میں

"لا باس ان یری المملوک الشعر والساق"[1] یعنی جائز ہے کہ غلام اس خاتون کے بالوں اور پیروں پر نگاہ ڈالے جو اس کی مالکن ہو۔

دوسری روایت میں مخنثوں کے بارے میں پوچھا گیا ہے (جو ممکن ہے مملوک بھی نہ ہوں):

محمد بن اسماعیل بن بزیع قال سالت ابا الحسن الرضاؑ

عن قناع الحرائر من الخصیان - فقال کانوا یدخلون

علی بنات ابی الحسنؑ ولا یتقنعن قلت وکانوا احرارا؟

قال لا قلت فالاحرار یتقنع منهم قال لا[2]

حضرت امام رضا علیہ السلام کے ایک جلیل القدر صحابی جناب محمد بن اسماعیل بن بزیع فرماتے ہیں: میں نے امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا آزاد عورتوں کو خواجہ سراؤں کے سامنے سر ڈھانکنا ہوگا؟

(کنیزوں کے بارے میں مسلم ہے کہ ان کے لیے سر ڈھانکنا ضروری نہیں ہے لہٰذا اس سوال کو آزاد عورتوں سے مختص کیا گیا ہے)۔

آپ نے فرمایا: نہیں خواجہ سرا حضرات میرے والد بزرگوار جناب امام موسیٰ بن جعفر صادق علیہ السلام کی صاحبزادیوں کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور ان کے سروں پر چادریں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ میں نے پوچھا: خواجہ سرا لوگ آزاد تھے یا غلام؟ آپ نے فرمایا آزاد نہیں تھے۔ میں نے

---

[1] وسائل جلد ۲ صفحہ ۲۹، اور کافی جلد ۵۔ صفحہ ۵۳۱ [2] وسائل۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۹۔

عرض کی اگر یہ آزاد ہوں تو کیا پھر ان کے سامنے سر ڈھانکنا ضروری ہو جائے گا؟ فرمایا نہیں۔

تفسیر آیات میں ہم یہ گفتگو کر چکے ہیں کہ خنثی اور غلام عورت کے لیے محرم ہیں یا نہیں؟ اکثر فقہا کہتے ہیں کہ محرم نہیں ہیں' لیکن بہر حال یہ اور اس سلسلے کی دیگر تمام روایات باہمی اختلاف کے باوجود جو کافی' وسائل اور دیگر تمام کتب حدیث میں درج ہیں پردے میں چہرے کے استثناء کے باب میں مشکوک نہیں ہیں:

د۔ ذمّی عورتوں کے باب میں[1]

السکونی عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لاحرمۃ لنساء اھل الذمۃ ان ینظر الی شعورھن وایدیھن[2]

سکونی (اہل تسنن کے علماء میں سے ہے۔ اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں اور علماء شیعہ کے نزدیک قابل اعتماد شخصیت ہے) امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ نے رسول خدا کے حوالے سے فرمایا: ذمی عورتوں کے بالوں اور ہاتھوں کو دیکھنا حرام نہیں ہے۔

ابو البختری عن جعفر عن ابیہ عن علی بن ابی طالب ع لا باس بالنظر الی رؤس النساء من اھل الذمۃ[3]

---

[1] ذمی ان افراد کو کہا جاتا ہے جو مسلمان نہیں ہیں لیکن قدیم ادیان کے پیروکار ہیں اور اسلامی حکومت کی پناہ میں مخصوص قرارداد کے تحت رہتے ہیں۔ [2] اور [3] وسائل جلد ۲۔ صفحہ ۲۶

یعنی حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ذمی عورتوں کے سر پر نگاہ ڈالنا جائز ہے۔

فقہا اور مجتہدین اس بات پر متفق ہیں کہ اہل کتاب عورتوں کو دیکھنا جائز ہے۔

البتہ فقہاء کے ایک گروہ نے اس میں ایک بندش کا اضافہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف اس حد تک اکتفاء کرنا چاہیے جس حد تک پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں معمول رہا ہے یعنی یہ دیکھنا ہوگا کہ اس زمانے میں کن مقامات کو کھلا رکھا جاتا تھا، بس اسی حد تک دیکھنا جائز ہے جو حرص اور لذت کے لیے نہ ہو، لیکن آجکل عریانی جس حد تک پہنچ گئی ہے اسے دیکھنا جائز نہیں ہے۔

لیکن بعض دیگر فقہاء کا موقف یہ ہے کہ بدن کے جن حصوں کو وہ مجمع عام میں کھلا رکھتی ہیں ان کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ رسول اکرمؐ کے زمانے میں یہ کیفیت نہیں تھی۔

۸۔ صحرائی یا دیہاتی عورتوں کے باب میں

عباد بن صهيب: سمعت اباعبد الله عليه السلام يقول لا بأس بالنظر الى رؤوس نساء اهل تهامه والاعراب واهل السواد والعلوج لانهم اذا نهوا لا ينتهون[1]

---

[1] وسائل جلد ۳۔ صفحہ ۲۶

یعنی بروایت عباد بن صہیب، امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ صحرائی، دیہاتی[1] اور غیر مسلم عورتوں کے سروں کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ انہیں کتنا ہی منع کیا جائے وہ اس سے باز نہیں آتیں۔

بعض فقہاء نے اس روایت کی بنیاد پر فتوے صادر کیے ہیں[2]۔ مرحوم آیت اللہ سید عبدالہادی شیرازی سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے اس حکم کو اہل شہر کی ان عورتوں کے بارے میں بھی عمومیت دی ہے جن پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس دور کے بعض بڑے مراجع تقلید اور فقہائے معاصر نے بھی اسی طرح کا فتویٰ صادر کیا ہے اور وہ اس عدم قبول نصیحت کو سند بناتے ہیں جسے ذکر شدہ حدیث میں پیش کیا گیا ہے۔

بیشتر فقہاء یہ فتویٰ نہیں دیتے لیکن انہوں نے ان مقامات میں آمدورفت سے مردوں کو نہیں روکا ہے جہاں یہ عورتیں رہتی ہیں۔ اگر گزرتے ہوئے کسی پر ان کی نظر پڑ گئی تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن دائمی طور پر اس کی تکرار مناسب نہیں۔

بہرحال اس قبیل کی روایات میں ہمارا انتہائی نظریہ ہے کہ کسی مقام پر بھی چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا تذکرہ نہیں ہوا، اس لیے کہ ان مقامات کا چھپایا نہ جانا روایتوں کے نقطۂ نظر سے حتمی اور مسلم رہا ہے اور اس میں معمولی سا شائبہ بھی نہیں ہے۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ اس امر کا کوئی امکان

---

[1] حدیث میں اہل سواد کہا گیا ہے۔ اس سے مراد اطراف شہر کے کھیت اور بستیاں ہیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مقامات دور سے سیاہ دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم اکثر اوقات سواد سے کوفے کے اطراف مراد لیے جاتے ہیں۔ [2] ملاحظہ ہو، منہاج الصالحین طبع قم، کتاب النکاح مسئلہ ۳

نہیں ہے کہ چہرے کے چھپانے کو واجب سمجھا گیا ہو اور بالوں کے ڈھانپنے میں کوئی تردید ہو۔

چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کا کھلا رکھنا ان پر جوازِ نظر کی دلیل نہیں ہے لیکن جوازِ نظر چہرے اور ہاتھوں کو چھپاتے رکھنے کے لازم نہ ہونے پر دلیل ہے۔

ہم نے اس سے پہلے "وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" کی آیت کے ذیل میں بعض روایتوں کا تذکرہ کیا ہے اور اب پھر مزید چند روایتیں پیشِ خدمت ہیں۔

الف: خبر مسعدہ بن زرارہ۔ قال سمعت جعفرا وسئل عما تظهر المرئة من زينتها قال (ع) الوجه والكفين[1]

مسعدہ بن زرارہ، امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ جب آپ سے عورت کی اس زینت کے بارے میں سوال کیا گیا جسے وہ آشکار کر سکتی ہے تو آپ نے فرمایا چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ۔

ب: خبر المفضل بن عمر۔ قال قلت لابی عبداللہ (ع) ما تقول فی المرئة تموت فی السفر مع الرجال ليس فيهم لها ذو محرم ولا معهم مراة فتموت المراة ما يصنع بها؟ قال يغسل منها ما اوجب الله عليه التيمم لا تمس ولا يكشف لها شئ من محاسنها التی

---

[1] قرب الاسناد صفحہ ۴

امرا للّٰہ سبحانہ بسترھا قلت فکیف یصنع بھا؟
قال یغسل بطن کفیھا ثم یغسل وجھھا ثم یغسل ظھر
کفیھا[1]

مفضل بن عمر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسی عورت کے بارے میں سوال کیا جو حالت سفر میں مرگئی ہو اور اسے غسل دینے کے لیے کوئی محرم مرد یا کوئی اور عورت موجود نہ ہو۔ آپ نے فرمایا اس کے مواضع تیمم کو غسل دینا چاہیے لیکن اس کا بدن چھوا نہ جائے اور اس کی ان زیبائشوں کو آشکار نہ کیا جائے جن کے چھپانے کو اللہ نے واجب قرار دیا ہے۔ میں نے پوچھا کس طرح عمل کرنا ہوگا؟ فرمایا پہلے اس کی ہتھیلیاں دھونی چاہئیں اور پھر اسکے چہرہ اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں کی پشت۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ بطور واضح ان حصوں میں شامل ہیں جن کے ڈھانکنے کو واجب قرار نہیں دیا گیا ہے۔

ج: عن علی بن جعفر، عن الرجل، ما یصلح له
ان ینظر من المرأة التی لا تحل له؟ قال الوجه
والکف و موضع السوار[2]

علی بن جعفر، امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند ہیں اور جلیل القدر افراد میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے پوچھا کس حد میں کوئی مرد کسی نامعلوم عورت کو دیکھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ اور چوڑیاں پہننے کی جگہ۔

---

[1] وسائل جلد ۱ - صفحہ ۱۳۵ [2] قرب الاسناد - صفحہ ۱۰۲

د۔ عن ابی جعفر عن جابر بن عبد اللہ الانصاری
قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
یرید فاطمہ علیہا سلام وانا معہ فلما انتہینا
الی الباب وضع یدہ علیہ فدفعہ ، ثم قال:
السلام علیکم۔ فقالت فاطمہ: علیک السلام
یارسول اللہ قال ادخل ؟ قالت ادخل یارسول اللہ ، قال ادخل
انا ومن معی ؟ فقالت یارسول اللہ لیس علی قناع
فقال یا فاطمہ خذی فضل ملحفتک فقنعی بہا
راسک۔ ففعلت ثم قال السلام علیکم فقالت و
علیک السلام یا رسول اللہ قال ادخل ؟ قالت
نعم یا رسول اللہ قال انا ومن معی ؟ قالت ومن
معک۔ قال جابر: فدخل رسول اللہ ودخلت و
اذا وجہ فاطمہ اصفر کانہ بطن جرادہ ، فقال
رسول اللہ: مالی اری وجہک اصفر؟ قالت
یا رسول اللہ الجوع ، فقال اللہم مشبع الجوعہ
و دافع الضیعہ ، اشبع فاطمہ بنت محمد ، قال
جابر فنظرت الی الدم ینحدر من قصاصہا
حتی عاد وجہہا احمر ، فما جاعت بعد ذلک
الیوم ؎۱

؎۱ کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۸ ۔ وافی جلد ۱۲ ۔ صفحہ ۱۲۴ اور وسائل جلد ۳ ۔ صفحہ ۲۷

حدیث کا مضمون بطور اختصار یہ ہے: حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ صلواۃ وسلامہ علیہا کے گھر پہنچے۔ جناب رسالتمآبؐ نے باہر سے سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ جناب خاتون جنتؑ نے آپ کو اجازت دی۔ پیغمبر اکرمؐ نے پوچھا: کیا میں اپنے ساتھی کے ساتھ آسکتا ہوں؟ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: باباجان میرے پاس سر ڈھانپنے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: اپنے پہناوے کے اضافی حصوں سے اپنے سر کو ڈھانک لو۔ اس کے بعد پھر آپ نے اندر آنے کے لیے پوچھا اور مثبت جواب پر داخل ہوئے۔ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کا چہرہ شکم ملخ کی مانند زرد تھا۔ رسولؐ خدا نے پوچھا: کیوں بیٹی تمہاری یہ کیا کیفیت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: باباجان بھوک نے یہ حال کر دیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ خداوندا میرے جگر گوشہ کو سیر فرما۔ آپ کی اس دعا سے جناب خاتون جنت کا چہرہ تمتمانے لگا اور ایسا محسوس ہوا جیسے آپ کے چہرے میں ہونے گردش شروع کر دی ہو اور اس کے بعد جناب سیدہ کی بھوک مٹ گئی۔[1]

---

[1] اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے بعد بعض افراد نے ہم سے وضاحت چاہی کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ دختر رسولؐ خدا کا چہرہ بھوک سے زرد ہو۔ آخر کیوں اور کس لیے آپ بھوکی تھیں؟

ہم ان حضرات کا شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اپنا سوال ہمارے سامنے پیش کیا۔

یہاں دو باتوں پر توجہ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ ان وقتوں کے مسلمانوں کی زندگی مدینہ میں بیشتر سختی سے گزرتی تھی۔ پھر جنگوں نے بھی مدینہ کی کمزور معاشیات کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور کبھی قحط زدگی رہی سہی کسر کو پورا کرتی۔ چنانچہ جس سال (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

یہ حدیث بڑی وضاحت سے اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ چہرہ کا ڈھانکنا واجب نہیں اور نیز یہ کہ چہرے پر نظر کرنا بھی جائز ہے۔

۵۔ عن الفضیل بن یسار۔ قال سالت ابا عبداللہؑ عن الذراعین من المرأۃ ھما من الزینۃ التی

(پچھلے صفحے سے آگے) غزوہ تبوک رونما ہوا اس سال بڑا سخت کال پڑا تھا اور اسی لیے سپاہ تبوک کو "جیش العسرہ" کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات اصحاب صفہ اتنی سختی کے عالم میں ہوتے کہ نماز میں شرکت کے لیے ان کے پاس مناسب لباس بھی نہیں ہوتا تھا۔ ایسی صورت میں ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدۂ عالمؑ کے گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا دیکھا۔ آپ کے چہرے پر کچھ کراہت کے آثار نمایاں ہوئے۔ جناب سیدۂ عالمؑ نے فوراً اس کو اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر کیا۔ رسالتمآبؐ نے اس پردے کے ٹکڑے کیے اور انہیں اصحاب صفہ میں بانٹ دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ایک جفاکش انسان تھے اور سپاہیانہ خدمات کے صلے اور غنائم جنگی کے علاوہ ان کے پاس کھیتی باڑی کا شغف بھی تھا۔ کبھی کبھی دوسروں کی باغبانی سے بھی تحصیل معاش کیا کرتے تھے لیکن حضرت علیؑ اور جناب سیدہؑ ایسے افراد نہیں تھے کہ خود سیر ہوں اور اطراف کے لوگ بھوکے رہیں۔ وہ جو کچھ کماتے تھے اسے دوسروں کے لیے بطور ایثار دیدیا کرتے تھے اور اسی ضمن میں سورۂ "ہل اتیٰ" نازل ہوئی۔

بے شک صدر اول کے مسلمانوں نے اس سختی کے ساتھ اسلام کے پرچم کو تھام کر اسے دنیا کے دور ترین حصوں تک پہنچایا۔

رسالتمآبؐ کے گھرانے کی بھوک کسی نقص یا شرمساری کا باعث نہیں بلکہ یہ ایک طرۂ امتیاز ہے جو ان کی پیشانیوں پر بڑی آب و تاب سے سج رہا ہے۔

قال الله ولا يبدين زينتهن الا لبعولتهن ؟ قال نعم وما دون الخمار من الزينة وما دون السوارين.[1]

فضیل بن یسار کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا عورت کے بازو بھی ان مقامات سے مستثنیٰ ہیں جنہیں غیر محرم سے چھپانا ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں چادر کے نیچے جو حصے قرار پاتے اسے چھپانا چاہیے اور اس میں کلائی سے اوپر کا حصہ بھی شامل ہے۔

۴۔ وہ روایتیں جو احرام میں عورت کے چہرے کی پوشیدگی کو حرام قرار دیتی ہیں۔

یہ بات کتنا دور از عقل ہے کہ حالت احرام کے علاوہ چہرے کا کھلا رہنا محرمات میں سے ہے اور یہ کیفیت صرف حالتِ احرام میں واجب ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ مناسک عمرہ یا حج میں عورت، مرد و زن کے ایک انبوہ کثیر میں موجود ہوتی ہے اور اگر مردوں سے چہرے کا چھپایا جانا لازم ہوتا تو یہاں اس کی رعایت زیادہ ضروری تھی۔ اس کے علاوہ ایک روایت میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے حالت احرام میں ایک عورت کو پنکھے سے اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے خود اپنے ہاتھ کی چھڑی کے ذریعے پنکھے کو اس کے چہرے سے دور کیا۔

بعض روایتوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حالت احرام میں عورت کا کھلا چہرہ مرد کے کھلے سر کی طرح ایک مقصد کا حامل ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں موسم کی گرمی اور سردی کی تکلیف برداشت کریں۔ ایک

---

[1] کافی جلد ۵۔ صفحہ ۵۲۱۔ وسائل۔ جلد ۳۔ صفحہ ۲۵، وافی جلد ۱۲۔ صفحہ ۱۳۱۔

حدیث میں ہے کہ ایک عورت حالت احرام میں نقاب اوڑھے ہوئے تھی۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا' اپنے چہرے سے نقاب ہٹاؤ کیونکہ نقاب تمہارے چہرے کی رنگت کو متغیر ہونے نہیں دیتا۔ یعنی دھوپ تمہارے چہرے پر اثر انداز ہونی چاہیے۔

پس مرد کے کھلے سر اور عورت کے کھلے چہرے کا مقصد یہ ہے کہ ان آسائشوں میں کمی واقع ہو جن میں وہ عام حالات میں رہتے تھے لیکن چونکہ شارع مقدس یہ چاہتے تھے کہ پردے کا قانون اپنی جگہ باقی رہے اس لیے انہوں نے عورت سے یہ نہیں کہا کہ وہ اپنا سر کھلا رکھے بلکہ صرف چہرے کے کھلا رکھنے پر اکتفا کیا اور اگر شارع حالت احرام میں پردے سے صرف نظر کرنا چاہتے تو ممکن تھا کہ وہ عورت کے لیے بھی سر کی برہنگی کو لازم قرار دیتے۔ فقہاء میں سے ہرگز کسی نے یہ نہیں کہا کہ شارع علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ حالت احرام میں پردہ سے متعلق استثناء کو ملحوظ رکھا جائے۔

اس سلسلے میں تاریخ اسلام اور شیعہ سنی مکاتب فکر میں بڑی کثرت سے ناقابل انکار دلیلیں اور روایتیں موجود ہیں۔ جو کچھ ہم نے یہاں بیان کیا ہے وہ صرف ایک نمونہ تھا۔ تمام دلائل اور روایات کو نقل کرنے کے لیے خود ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔

مخالف دلائل

چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو چھپانے کے وجوب میں ذیل کے دلائل سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱۔ مسلمانوں کی سیرت

یہ ٹھیک ہے کہ ظاہر آیات اور روایات چہرے اور کلائی تک ہاتھوں کے چھپانے کو ضروری قرار نہیں دیتیں لیکن اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ متدین افراد کی سیرت اس کے برخلاف رہی ہے۔

سیرت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے آسانی کے ساتھ چشم پوشی کی جا سکے۔ اگر حقیقتاً مسلمانوں کی سیرت صدر اسلام سے آج تک ایک تسلسل کے ساتھ یہ رہی ہو کہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھپایا جائے تو یہ ایک واضح دلیل ہو گی کہ مسلمانوں نے اسے جناب رسالتمآب اور ائمہ اطہار سے سیکھا ہے۔ اصطلاحاً کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی استمراری سیرت رسول اکرمؐ کی سیرت طیبہ کی آئینہ دار ہے اور سیرت پیغمبرؐ یقیناً حجت ہے۔

بہت سے فقہاء اثبات احکام میں سیرت مسلمین سے تمسک کرتے ہیں۔ مثلاً ڈاڑھی مونڈھنے کی حرمت کے باب میں محکم ترین دلیل مسلمانوں کی سیرت ہی کو سمجھا جاتا ہے لیکن مسلمانوں میں جو ڈاڑھی نہ مونڈھنے کا رواج ہے اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ڈاڑھی رکھنا فعل حرام نہیں ہے مگر اس سے ڈاڑھی رکھنے کا وجوب بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے یہ عمل مستحب یا مباح ہو۔ اسی طرح سے چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھپانے میں بھی مسلمانوں کی سیرت سے تمسک کیا گیا ہے۔

اس استدلال کے جواب میں ایک تاریخی اور اجتماعی نکتہ پر توجہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ عربوں میں پردہ رائج نہیں تھا اور اسلام نے اسے جاری کیا تاہم غیر عرب قوموں میں یہ سخت ترین صورت میں موجود تھا۔

ایران میں یہودیوں اور یہودی افکار کی پیروی کرنے والی قوموں کے درمیان پردہ، اسلامی نقطہ نظر سے کہیں زیادہ سخت اور شدید تھا۔ ان قوموں میں چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ بھی چھپاتے جاتے تھے بلکہ بعض قوموں میں چہرے اور زیبائش تو درکنار خود عورت کو ہی مردوں کے سامنے نہیں آنے دیا جاتا تھا۔ گو اسلام نے چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھپانے کو واجب قرار نہیں دیا لیکن اسے حرام بھی نہیں گردانا۔ یعنی اسلام نے نہ تو چہرے کو چھپانے کی مخالفت کی ہے اور نہ ہی اسے کھلا رکھنے کو واجب جانا ہے۔ چنانچہ وہ غیر عرب قومیں جو مسلمان ہوئیں اپنی اسی قدیم رسم و عادت پر باقی رہیں۔ اسلام نے حالتِ احرام کے علاوہ چہرے کو چھپانے کی کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ جس طرح ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کا استثناء آسانی فراہم کرنے کے لیے ایک چھوٹ ہے اور اسلام کا اخلاقی رجحان تا حدِ امکان ستر پوشی کی طرف ہے لہٰذا اگر بالفرض کوئی ایسی عادت جاریہ موجود ہو تو یہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپائے جانے کے وجوب کی بنیاد نہیں بن سکتی۔

اس کے علاوہ ایسی سیرت رسالتمآبؐ، صحابہؓ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے زمانے میں موجود نہیں تھی۔ تاریخی حقائق سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی سیرت بعد کی صدیوں میں آنے والے مسلمانوں سے مختلف رہی ہے اور عربوں کے دوسری قوموں سے اختلاط اور خصوصاً مشرقی روم کی شاہی رسم و رواج اور پھر عادات و اطوار سے اثر پذیر ہونے کے بعد اس کیفیت میں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ اکثر مغربی مورخین کو جنہیں اسلامی مصادر سے صحیح طور پہ واقفیت نہیں ہے یہ واہمہ

ہونے لگا کہ اسلام نے بنیادی طور پر پردے کے بارے میں کوئی احکامات صادر نہیں کیے ہیں اور پردے کی رسم دوسری قوموں سے مسلمانوں میں در آئی ہے۔ چنانچہ ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں اس گفتگو کو نقل کر چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ مستشرقین کی یہ تمام باتیں محض لغویات ہیں اور اسلام پردے کے معاملے میں بڑے سخت احکامات کا حامل ہے اور یہ پردے کا ایک خاص فلسفہ بھی رکھتا ہے۔

پس اولاً تو مسلمانوں میں اس طرح کی عادت جاریہ کا کوئی وجود ہی نہیں رہا ہے اور بالفرض اگر ایسی سیرت مسلمانوں کے درمیان موجود بھی ہوتی تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حضرات معصومین علیہم السلام کا عمل کیا تھا؟ کیا یہ طریقہ ان کی سیرت سے ہم آہنگ ہے؟ حالانکہ یہ صورت نہیں ہے بلکہ بعض متذکرہ روایات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ معصومین علیہ السلام کا عمل بھی موجودہ صدی کے مسلمانوں کے طرزِ عمل سے مختلف تھا۔

مسلمانوں کی سیرت سے تمسک کے لیے ایک گہرے تاریخی جائزے کی ضرورت ہے۔ قوموں کے کردار اور عمل میں ہزاروں تدریجی تغیرات رونما ہوتے ہیں لیکن چونکہ یہ کسی جوش و خروش کے حامل نہیں ہوتے اس لیے تاریخ انہیں اپنے دامن میں نہیں لیتی اور ان کے بارے میں سکوت اختیار کرتی ہے۔ مردانہ لباس کی وضع میں موجودہ صدیوں میں اتنی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ جن کا شمار ناممکن ہے۔

سیرت مسلمین کے مطالعہ کے بعد اب ہم اسے سیرت نبوی سے ماخوذ نہیں کہہ سکتے اور یہ ہمارے لیے حجت نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ اگر ہمارے لیے یہ سیرت اور یہ روش جناب رسالتمآب[ص] کے دور سے ثابت بھی ہو جائے تو بھی یہ چہرہ چھپانے کے وجوب پر نہیں بلکہ صرف اس کے جواز پر دلیل ہوگی۔ آپ کی روش

زیادہ سے زیادہ اس کی ارجحیت کو ثابت کرے گی اور جیسا کہ ہم "وان یستعففن خیر لھن" کی آیت کی تفسیر میں پہلے عرض کر چکے ہیں کہ لفظ "تستر" کی جتنی زیادہ رعایت کی جائے گی شارع کے مقصد کی زیادہ بہتر پیروی ہو گی۔

شہید ثانی رضوان اللہ علیہ نے مسالک میں اس مسئلہ کے دلائل پر بحث کرتے ہوئے مسلمانوں کی روش اور ان کے اتفاق عمل کی گفتگو کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے:

"ودعوی اتفاق المسلمین علیہ معارض بمثلہ ولو لم یلزم منہ تحریم ھذا المقدار لجواز استناد منعھن الی المروہ والغیرہ بل ھو الاظھر او علی وجہ الا فضلیہ اذ لا شک فیھا"

یعنی چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپائے جانے پر مسلمانوں کے اتفاق کا دعویٰ مطرود ہے۔ اولاً اس دلیل کی بنیاد پر کہ اس اتفاق کے علاوہ اس کی ضد بھی نقل ہوتی ہے یعنی یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان یہ سیرت ہمیشہ رہی ہے کہ عورتیں اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو کھلا رکھتی تھیں، اس سے پہلے جناب شہید ثانی نے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو کھلا رکھنے کے حامیوں کی ایک دلیل کو اس طرح بیان کیا ہے۔

الاطباق الناس فی کل عصر علی خروج النساء علی وجہ یحصل منہ بدو ذلک من غیر نکیر

یعنی لوگوں کا عمل ہر زمانے میں یہ رہا ہے کہ عورتیں اس کیفیت کے ساتھ گھر سے باہر نکلتی تھیں کہ ان کے چہرے دکھائی دیتے تھے اور کوئی اسے قابل اعتراض نہیں سمجھتا تھا۔"

ثانیاً اگر ہم فرض کر بھی لیں کہ مسلمانوں کا عمل چہرے اور دونوں ہاتھوں کے چھپانے پر رہا ہے تو جب بھی یہ بات دلیل نہیں بن سکتی، اس لیے کہ سیرت اسی وقت دلیل ہو سکتی ہے جب فرمان پیغمبرؐ بھی اس کی تائید کرتا ہو لیکن یہاں اس سیرت کی اساس غالباً حس غیرت و مردانگی ہے نہ پیغمبرؐ کے حکم کی اطاعت، اور ظاہر بھی یہی ہوتا ہے کہ اس روش کی بنیاد لوگوں کی حس غیرت اور مردانگی پر ہے۔

احتمال پیدا ہوتا ہے کہ اس طرزِ عمل کی بنیاد زیادہ بہتر اور بافضیلت پردہ پر ہے اس لیے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہ فرض جواز ڈھانپنا نہ ڈھانپنے سے زیادہ افضل ہے۔

۲- اساس حقیقی

چہرے اور ہاتھوں کو چھپانے کی ضرورت پر دوسری دلیل ملاک کی بنیاد پر استوار کی گئی ہے یعنی وہ فلسفہ کہ جو تمام بدن کو پوشیدہ رکھنے کا قائل ہے۔ وہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کے چھپانے کو ضروری قرار دیتا ہے۔ کیا بدن کے تمام حصوں کے چھپائے جانے کا سبب ان کی فتنہ انگیزی کے سوا کچھ اور ہے؟ چہرے کا حسن اور اس کی فتنہ انگیزی دوسرے اجزائے بدن سے کمتر نہیں بلکہ بیشتر ہے لہٰذا یہ بات معقول نہیں کہ بالوں کا چھپانا ان کے حسن اور فتنہ انگیزی کے سبب واجب ہو اور مرکز حسن ہونے کے باوجود بھی چہرے کا چھپانا واجب نہ ہو۔ دین اسلام ہر اس چیز پر پابندی عاید کرتا ہے جو پاکدامنی کو ضائع کرنے اور ترغیب شہوات کا باعث ہو۔ کیا اس اصل اساس کی موجودگی میں یہ ممکن ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کا چھپانا ضروری نہ

سمجھا جائے۔

اس استدلال کے جواب میں ہماری گزارش یہ ہے کہ بے شک چہرے اور ہاتھوں کا استثناء اس لیے نہیں ہے کہ اس میں وہ فلسفہ موجود نہیں ہے جو پردے کی اصل اساس ہے بلکہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور قدیم مفسرین کے حوالے سے بھی نقل کر چکے ہیں کہ اس استثناء کا سبب ایک دوسری اساس ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر چہرے اور ہاتھوں کے چھپائے جانے کو واجب قرار دیا جاتا تو عورت بالکل مفلوج ہو جاتی۔ عام امور کی انجام دہی اس کے لیے ممکن نہ ہوتی اور کام کرنے کے مواقع اس سے سلب ہو جاتے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ چہرے اور ہاتھوں کی پوشیدگی عورت کی اسیری اور عدم اسیری کے درمیان ایک سرحد ہے اور پردے کا مفہوم اور اس کا اثر اس عمل کے اضافہ یا اس کے حذف سے یکسر بدل جاتا ہے۔

اس گفتگو کو زیادہ بہتر طور پر سمجھانے کے لیے اصول فقہ سے متعلق ایک وضاحت ضروری ہے:

اصولیین کہتے ہیں مباح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اقتضائی اور دوسرے لا اقتضائی۔ بعض امور نہ ایسی مصلحت کے حامل ہیں کہ شارع انہیں واجب قرار دے اور نہ ایسی برائی ان میں ہے کہ ان کی تحریم کا سبب قرار پائے۔ ایسے امور چونکہ وجوب یا حرمت سے متعلق کسی بنیاد پر استوار نہیں ہیں اس لیے مباح سمجھے جاتے ہیں اور اسی لیے انہیں مباح لا اقتضائی کہا جاتا ہے۔ شاید بیشتر مباحات اسی نوعیت سے متعلق ہوں۔

لیکن بعض دیگر امور کے مباح ہونے کا سبب وہ حکمت ہے جو ایسی چھوٹ کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ یعنی اگر شارع اس امر کو مباح قرار نہ دے

تو اس سے کوئی مشکل پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح کے مباحات کو مباح اقتضائی کہا جاتا ہے۔ اس طرح کے مباح میں اس کے کرنے یا نہ کرنے سے متعلق ممکن ہے کوئی مصلحت یا برائی موجود ہو لیکن شارع زیادہ اہم مصلحت کو پیش نظر رکھتا ہے۔

وہ مباحات جو کسی حرج کے سبب مباح قرار دیے گئے ہیں، اسی نوعیت کے ہیں۔ شارع کے پیش نظر یہ بات ہے کہ اگر وہ لوگوں کو بعض امور سے روکنا چاہے تو زندگی ان کے لیے اجیرن ہو جائے گی لہٰذا اس نے اس کی تحریم سے صرف نظر کیا ہے۔

اس کی بہترین مثال طلاق کا مسئلہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں طلاق ایک ناپسندیدہ امر ہے یہاں تک کہ اسے بدترین مباح اور "ابغض الحلال" کہا گیا ہے لیکن اس کے باوجود شارع مقدس نے اس کی تحریم کا حکم نہیں دیا بلکہ مرد کو اپنی عورت کو طلاق دینے کا اختیار دیا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ عمل شارع کی نظر میں مبغوض و منفور ہے تو پھر اس نے اسے حلال کیوں قرار دیا ہے؟ اور اگر قابل نفرت نہیں ہے تو پھر اس کے لیے اتنی مذمت کا کیا سبب ہے؟ اور بنیادی طور پر "ابغض الحلال" کسے کہتے ہیں؟

محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری اپنی زوجہ ام ایوب کو طلاق دینا چاہتے تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: "ان طلاق ام ایوب لحوب" یعنی ام ایوب کو طلاق

---

[1] کافی جلد ۶ - صفحہ ۵۵ اور وسائل، جلد ۲ - صفحہ ۱۴۲

دینا بڑا افسوسناک امر ہے۔

لیکن اگر ابو ایوب اپنی زوجہ کو طلاق دیدیتے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہرگز نہ فرماتے کہ طلاق باطل ہے۔

اس مفہوم کا راز کیا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شے حرام کی حد تک اور بہت سے حرام امور سے زیادہ قابل نفرت اور ناپسندیدہ ہو لیکن کسی خاص مصلحت کی بنا پر حرام نہ ہو۔

طلاق کے بارے میں اس مسئلہ کا راز یہ ہے کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ شادی کی بنیاد کو جبر اور زبردستی پر قرار دے۔ مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو دل سے چاہے اور عورت ایک محبوب کی طرح گھر میں رہے گویا کہ گھریلو قاعدے اور قانون کی اساس محبت ہے۔

عشق اور محبت میں زور اور زبردستی نہیں۔ یہ درست نہیں کہ قانون عورت کو زبردستی مرد سے ہمکنار کرے۔ جب عورت اور مرد میں تعلق خاطر نہ ہو تو فطرتاً گھریلو ماحول کی اساس متزلزل ہوگی، خاص طور پر اگر مرد، عورت سے متنفر ہو تو معاملہ اور بھی بگڑ جاتا ہے کیونکہ گھریلو زندگی کی باگ ڈور مرد کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اگر مرد یہ چاہے کہ عورت، اس کی طبیعت کے مطابق اس سے محبت کرے اور وہ اسے پسند کرتا ہو تو عورت جو اپنی فطرت کے مطابق محبوب رکھنے کی بجائے محبوب ہونے کو اہمیت دیتی ہے۔ یعنی وہ اس مرد کو چاہتی ہے جو اسے چاہے۔ وہ مرد اس کے نزدیک قابل محبت ہے جو اس کا محب ہو لہٰذا گھریلو زندگی کی کلید مرد کے ہاتھ میں ہے اور جونہی عورت سے مرد کی دلچسپی ختم ہوتی ہے گھریلو ماحول میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے ماحول کو جو محبت، چاہت اور خلوص سے استوار ہوتا ہے، قانون کے زور سے قائم نہیں رکھا

جا سکتا۔ عورت نوکرانی یا مزدور کی طرح نہیں ہوتی کہ قانون اسے زور اور زبردستی سے خانہ داری پر جبراً برقرار رکھ سکے۔

اسلام نے ایسی تدابیر اختیار کی ہیں کہ جن سے زوجین کے درمیان سرد دلی اور بے مہری پیدا نہ ہو اور مرد پوری چاہت اور رغبت کے ساتھ اپنی بیوی کی شمع وجود کے گرد پروانہ وار گردش کرے لیکن اگر ناراضگی اور جدائی کے اسباب فراہم ہوں اور مرد اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو اگرچہ اسلام اس امر کو نہایت برا سمجھتا ہے لیکن اس کی راہ نہیں روکتا کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا۔

یہ امر اقتضائی مباحات کا ایک واضح نمونہ ہے۔

پردے کے باب میں بیشتر استثناء اسی طرح کے ہیں، خواہ وہ استثناء محارم کے باب میں ہوں یا اس کا تعلق پردے کے حدود سے ہو۔ لہٰذا محارم (یعنی غیر از شوہر) کے باب میں عورت جتنی زیادہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے اسی قدر بہتر ہے۔

باپ، بیٹے، چچا اور بھائی جیسے محارم ہیں جن کا شمار پہلے درجہ میں ہوتا ہے جنسی تہییج نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے لیکن عورت اگر جوان اور خوبصورت ہو تو بعد کے درجات میں، خاص طور پر سسر اور سوتیلے بیٹے جیسے سببی محارم میں ناپید نہیں ہوتا۔ ایسے مقامات میں شارع کی چھوٹ صرف ضرورت اور ان معاشرتی لوازم کے تحت ہے کہ جن میں محارم سے اجتناب ممکن نہیں ہے۔ سوچنے کا مقام ہے کہ اگر عورت کے لیے بھائی اور باپ سے پردہ واجب ہوتا تو گھریلو زندگی کتنی دشوار ہو جاتی۔

باپ، چچا اور بھائی کے باب میں فطرتاً جنسی رغبت کا وجود ناقابل تصور

ہے۔ تاہم استثنائی صورت میں بے راہ رو افراد کی بات دوسری ہے لیکن سوتیلے بیٹے سے پردہ نہ کرنے کا سب سے بڑا سبب دشواری اور حرج ہے۔ اگر کسی شخص کی حسین و جمیل بیوی ہو اور پہلی بیوی سے نوجوان بیٹا بھی ہو تو وہ بیٹا ہرگز اپنے باپ کی زوجہ کے ساتھ ایک حقیقی ماں کی طرح نہیں رہے گا۔ اس بنا پر بعض محارم سے ترک پردہ کا مباح ہونا بھی اس لیے ہے کہ گھریلو زندگی میں رکاوٹ اور سختی پیدا نہ ہو۔ ہم نے سورۂ نور کی آیت ۵۸ سے استفادہ کیا ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے: " طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ "۔ صاحب کشاف جیسے بعض مفسرین نے بھی اس آیت کے ذیل میں مذکورہ نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ہم نے بارہا اس بات کی تکرار کی ہے کہ ایسے استثناء، حرج اور دشواری کی بنیاد پر کیے گئے ہیں نہ کہ ان میں تحریم کی ضرورت نہیں، لہٰذا پردے کی جتنی رعایت کی جائے بہتر ہے۔ یعنی عورت اور مرد کی ایک دوسرے سے دوری، پردہ، ترک نظر اور ہر وہ چیز جو انسان کو جنسی مسائل سے دور رکھتی ہے اس میں شامل ہے، تا حد امکان ان تمام چیزوں کی رعایت ضروری ہے۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ جس کلاس یا مجلس میں مرد و زن دونوں شریک ہوں اور عورتیں کافی حد تک پردہ کرتی ہوں، اگر وہ سب ایک ہی جگہ بیٹھیں تو بہتر ہے یا یہ کہ عورتیں ایک طرف اور مرد دوسری طرف اپنی نشست قائم کریں؟

جواب یہ ہے کہ بہر حال ان کا الگ بیٹھنا بہتر ہے۔

کلی طور پر اصل ضرورت و احتیاج پر نظر رکھنی چاہیے۔ کہیں اس شرعی چھوٹ کو بہانہ بنا کر اجنبی مرد اور عورتیں حجاب سے دستبردار نہ ہو جائیں اور آپس کی ملاقاتوں کے برے نتائج کو ذہن سے نکال بیٹھیں۔

کوئی خواہش جنسی قوت کی طرح سرکش اور حساس نہیں ہے۔ اجنبی

عورت اور مرد کو اس حد تک ایک دوسرے سے دور رکھنے کی اسلامی کوشش کہ جہاں کوئی خرابی پیدا نہ ہو نفسیاتی پہلو کی حامل ہے اور علم نفسیات سو فیصد اس مسئلہ کی تائید کرتا ہے۔ تاریخ اور حکایات بھی اس امر کی حمایت کرتی ہیں کہ کبھی ایک ملاقات یا نگاہوں کا ایک ٹکراؤ لمحہ بھر میں بسے بسائے گھر کو تباہ کر دیتا ہے۔

تمام گناہوں کے مقابل اپنے تقویٰ پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے لیکن جنسی غریزہ سے متعلق گناہوں کے باب میں یہ طاقت بے اثر ہے۔ اسلام نے تقویٰ اور ایمان کو باوجود ایک مضبوط ترین اخلاقی قوت کے جنسی تحریکات اور اس غریزہ کی رسائی کے مقابل ایک مکمل رکاوٹ نہیں جانا ہے۔

حافظ شیرازی اپنی مشہور غزل میں جس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے کہ:

فقیہا! بود آیا کہ عیاری گیرند تا ہمہ صومعہ داران پی کاری گیرند

کتنے عمدہ اور لطیف پیرائے میں کہتے ہیں:

قوت بازوی پرہیز بہ خوباں مفروش کہ دراں خیل حصاری بہ سواری گیرند

۳۔ ایک اور روایت

چہرے اور دونوں ہاتھوں کے چھپانے کو ضروری جاننے والوں کی تیسری دلیل کتب حدیث میں نقل شدہ وہ روایت ہے، جسے شہید ثانی علیہ الرحمہ نے "مسالک" میں استدلال کے بعد نقل کیا ہے اور روایت کا مضمون یہ ہے:

"حجۃ الوداع میں ایک عورت کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت فضل بن عباس آنحضرتؐ کے پیچھے کھڑے تھے جناب فضل اور اس عورت کے درمیان کچھ نگاہوں کا رد و بدل ہوا۔

آنحضرتؐ اس امر کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے دیکھا کہ وہ مسئلہ کے جواب پر توجہ دینے کی بجائے اپنی پوری توجہ جناب فضل کی طرف کیے ہوئے ہے جو ایک خوبصورت اور نوخیز نوجوان تھے۔ آپ نے اپنے دستہائے مبارک سے فضل کے چہرے کو دوسری طرف پھیرتے ہوئے فرمایا' ایک جوان عورت اور ایک نوجوان مرد' مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں شیطان درمیان میں نہ آکودے۔[1]"

جناب شہید ثانی رضوان اللہ علیہ اس استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"یہ روایت چہرے کو چھپانے کے وجوب اور حرمت نگاہ پر دلیل نہیں بلکہ اس کے عدم وجوب پر دلیل ہے۔ اس کے علاوہ اس میں اجنبی چہرے پر نگاہ ڈالنے کا جواز بھی پایا جاتا ہے۔"

ہم حضرت شہید ثانی علیہ الرحمہ کے بیان کی توضیح اس طرح کرتے ہیں:

سب سے پہلے اس حدیث کے مطابق جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو اپنا چہرہ کھلا رکھنے سے باز نہیں رکھا کہ جس کے سبب سے اس طرح کا معاملہ پیش آیا۔ اس کے بعد خود جناب رسول خداؐ مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے اس عورت کا چہرہ دیکھتے رہے۔ تیسرے یہ کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں (اس عورت اور فضل بن عباس) کی نگاہیں شہوت آلود تھیں۔ بے شک اس طرح کی نگاہوں کا ردوبدل حرام ہے' اسی لیے

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۸، صفحہ ۶۳۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جناب فضل کے چہرے کو دوسری طرف پھیر دیا تھا۔
چوتھے یہ کہ اس واقعے کے بعد بھی آپ نے اس عورت کو چہرہ چھپانے کے لیے نہیں فرمایا بلکہ ان دونوں کو شہوت آلود نگاہوں سے عملاً روکا۔
شیخ انصاری نے بھی رسالہ نکاح میں اس حدیث کو ان افراد کی طرف سے نقل کیا ہے جو چہرے کے چھپائے جانے کے وجوب اور حرمت نگاہ کے حامی ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ حدیث زیادہ تر ان کے دعووں کے برخلاف دلیل فراہم کرتی ہے۔

۴۔ طلب رشتہ

چہرے کے چھپانے کو واجب سمجھنے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ شادی کا قصد رکھنے والے کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنی منگیتر لڑکی کے چہرے کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شادی کا قصد نہ رکھتا ہو اس کے لیے چہرے پر نظر کرنا جائز نہیں ہے۔ اب ہم اس باب کی چند روایات کا تذکرہ کرتے ہیں:

(الف) عن ابی ھریرہ "کنت عند النبی، فاتاہ رجل فاخبرہ ان تزوج امراۃ من الانصار فقال لہ رسول اللہ انظرت الیھا؟ قال لا قال فاذھب فانظر الیھا فان فی اعین الانصار شیئا۔"[1]

ابو ہریرہ کہتے ہیں، "میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

---

[1] صحیح مسلم۔ جلد ۴۔ صفحہ ۱۴۲

خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے انصار کی ایک عورت سے عقد کر لیا ہے۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ اس نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور اسے دیکھو کیونکہ عام طور پر انصار کی آنکھیں معیوب ہوتی ہیں۔

ب) عن المغیرۃ بن شعبۃ انہ خطب امراۃ فقال انظر الیھا فانہ احری ان یدوم بینکما۔[1]

مغیرہ بن شعبہ نے کسی خاتون سے رشتہ طے کیا۔ جناب رسالتمآبؐ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا جاؤ اسے دیکھو اس لیے کہ پہلے دیکھ کر پھر شادی کرنا تمہارے دوام ازدواج کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

ج۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

"لا باس ان ینظر الی وجھھا و معاصمھا اذا اراد ان یتزوجھا۔[2]

یعنی جب کوئی شخص شادی کرنا چاہے تو اس کے لیے لڑکی کا چہرہ اور پہنچے تک ہاتھوں کو دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس حدیث کا برعکس مفہوم یہ ہے کہ اگر شادی کی بات نہ ہو تو دیکھنا جائز نہیں۔

اس استدلال کا جواب جیسا کہ فقہاء نے کہا ہے یہ ہے کہ:

سب سے پہلے تو شادی کا قصد رکھنے اور شادی کا قصد نہ رکھنے والے کی نگاہوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ شادی کا قصد رکھنے والا خریدار کی نظروں

---

[1] جامع ترمذی۔ صفحہ ۱۷۵۔ [2] وافی۔ جلد ۱۲۔ صفحہ ۵۸۔ وسائل جلد ۳ صفحہ ۱۱ اور کافی جلد ۵۔ صفحہ ۳۶۵۔

سے اور خریداری کے لیے دیکھتا ہے۔ گویا اسکی نگاہیں استقلالی ہیں اور عام طور پر تلذذ سے خالی نہیں ہوتیں، لہٰذا فقہاء کہتے ہیں کہ شادی کا قصد رکھنے والی نگاہ، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس میں تلذذ شامل ہوگا اشکال سے خالی ہے البتہ اس کا مقصد تحقیق ہونا چاہیے نہ تلذذ لیکن شادی کا قصد نہ رکھنے والے کی نگاہ، اگر تلذذ مقصود نہیں ہے تو غیر استقلالی ہوگی۔ ہم ان دونوں نگاہوں کے فرق کو سورۂ نور کی آیت ۳۱ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شادی کا ارادہ نہ رکھنے والے مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی نامحرم عورت کو گھورے اور خریدار کی نگاہ سے اس کا جائزہ لے۔ تاہم تخاطب کے لیے ضروری نگاہ خالی از اشکال ہے۔

دیگر یہ کہ خواستگاری کے لیے نگاہ کے بارے میں جیسا کہ روایات اور فقہا کے فتووں سے پتا چلتا ہے صرف چہرے اور پہنچوں تک دونوں ہاتھوں کو دیکھنا ہی جائز نہیں بلکہ پورے طور پر عورت کی تمام زیبائشات کو دیکھنا جائز ہے..... بطور مثال ہم دو روایتیں پیش کرتے ہیں:

۱۔ عبداللّٰہ بن سنان: قال قلت لابی عبداللّٰہ الرجل یرید ان یتزوج المرأۃ اینظر الی شعرھا؟ فقال نعم انما یرید ان یشتریھا باغلی الثمن[1]

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا، جب کوئی شخص کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہے تو کیا اس کے بالوں کو

---

[1] وسائل۔ جلد ۳ صفحہ ۱۲ ۔ تہذیب، جلد ۷ صفحہ ۴۳۵

دیکھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں! اسلیے کہ وہ اونچے داموں اسکا خریدار ہے۔

یعنی انسان ازدواجی زندگی میں جس چیز کی بنیاد قائم کرتا ہے وہ ہر شے سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد مہر کی رقم نہیں ہے اس لیے کہ مہر کی رقم اونچے دام نہیں ہوتے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ اپنی پوری زندگی گزارنا چاہتا ہے اور اس کی ساری عمر اس کے ساتھ بیتنا ہے۔

۲۔ عن رجل عن ابی عبد اللہ قال قلت لہ اینظر الرجل الی المراۃ یرید تزوجہا فینظر الی شعرہا ومحاسنہا؟ قال لا باس بذٰلک اذا لم یکن متلذذا[1]

کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ شادی کا ارادہ رکھنے والے شخص کو کیا یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ہونے والی بیوی کے بال اور دیگر زیبائش کو دیکھے۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اسکا مقصد تلذذ نہ ہو۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ شادی کا ارادہ رکھنے والے کے لیے جواز نظر صرف چہرے اور پہنچوں تک محدود نہیں ہے۔

تیسرے ہماری بحث فی الحال چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو پوشیدہ رکھنے سے متعلق ہے مرد کے لیے جواز نظر سے متعلق نہیں۔ بالفرض اگر ایسی روایتیں جو شادی کا قصد رکھنے والے شخص کے لیے اپنی منتخب عورت کے چہرے پر نگاہ کو جائز قرار دیتی ہیں وہ برعکس مفہوم بھی رکھتی ہیں یعنی شادی

---

[1] کافی جلد ۵۔ صفحہ ۳۶۵ - وسائل جلد ۳۔ صفحہ ۱۱

کا قصد نہ رکھنے والوں کے لیے عورت کے چہرے پر نظر ڈالنا ناجائز ہو تو یہ غیر عورت کے چہرے پر مرد کی نگاہ کے عدم جواز پر دلیل ہے نہ عورت کے چہرے اور پہنچے کے چھپانے کے وجوب پر۔

۵۔ "جلباب" کی آیت

ایک اور دلیل جس سے تمسک کیا جا سکتا ہے وہ "جلباب" کی آیت ہے۔ جہاں ارشاد ہوتا ہے:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ

(سورۂ احزاب۔ آیت ۵۹)

"اے رسولؐ تم اپنی بیبیوں، اپنی بیٹیوں اور تمام مومنین کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی اوڑھنیوں کو اپنے سے نزدیک کر لیں۔"

یہ استدلال اس بات پر مبنی ہے کہ "اپنی اوڑھنیوں کو اپنے سے نزدیک کر لیں" کا جملہ اس بات کی طرف کنایہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی اوڑھنیوں سے اپنا منہ ڈھانپ لیں۔ جیسا کہ زمخشری اور فیض جیسے مفسروں نے "کشاف" اور "صافی" میں اس طرح کی تفسیر پیش کی ہے۔

لیکن ہم تحفظ عصمت کے عنوان سے پچھلے کسی باب میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ تفسیر بے بنیاد ہے اور ہم نے وہاں تفسیر المیزان کی طرح دیگر مفسرین کی تائید کی ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کسی فقیہ نے وجوب ستر کے دلائل میں اس آیت سے استفادہ نہیں کیا ہے۔

اجتماعات میں عورت کی شرکت

ہم نے موافق اور مخالف دلائل کو جس حد تک ضروری تھا بیان کر دیا۔ ہماری گفتگو سے دو باتیں سامنے آئیں۔ پہلی بات یہ کہ اسلام نے پاکدامنی کے اعلیٰ معیار اور کان، آنکھ اور ہاتھ سے مرد و زن کے نشاط اور ہمبستری سمیت تمام جنسی روابط پر قانونی پابندیوں کے ساتھ پوری طرح توجہ دی ہے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ کسی بھی عنوان سے اس پر کوئی آنچ آئے لیکن آج کی دنیا نے ان غیر معمولی انسانی اقدار سے صرف نظر کر رکھا ہے اور نقصان اٹھانے کے باوجود اس زریں اصول کی طرف متوجہ نہیں ہو رہی ہے۔

آج کی دنیا نے آزادیٔ نسواں کے نام پر زیادہ واضح طور پر جنسی روابط کی آزادی کے عنوان سے نوجوان طبقے کی سوچ کو بگاڑ دیا ہے اور انسانی صلاحیتوں کو ابھارنے کے بجائے ان کو ضائع کر دیا ہے۔ عورتیں گھر کی چوکھٹ چھوڑ کر سینما گھروں، پارکوں، سمندری ساحلوں اور شب نشینی کی محفلوں میں آگئی ہیں۔ آج کی عورت نے تعلیمی مراکز اور کسی جگہ کو آباد کرنے کے بجائے آزادی کے نام پر اپنے گھر کو برباد کر دیا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ درسگاہوں میں بھی ان کے منفی طرز عمل کا دخل عیاں ہے۔

اس بے راہ روی اور انسانی بندشوں سے بے توجہی نے نوجوان نسل کی تعلیمی ترقی کی راہیں مسدود کر دی ہیں۔ نوجوان تعلیمی مراکز سے دوری اختیار کر رہے ہیں۔ عشق و عاشقی سے متعلق جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سینما اور تھیٹروں کی رونقیں بڑھ رہی ہیں۔ عورتوں کے سنگھار کا سامان تیار کرنے والے کارخانہ داروں کی جیبیں بھری جاتی ہیں۔ معاشرے میں

ناچنے گانے والوں کی قدر و منزلت ' دانشمندوں' مفکروں اور مصلح افراد سے سوگنا بڑھی ہوئی ہے۔ اگر آپ اس حقیقت کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں تو ان مختلف مواقع کا موازنہ کریں کہ جب اس ملک میں ایک رقاصہ اور مشہور ماہر امراض قلب برنارڈ جیسا کوئی دانشمند وارد ہو تو ان دونوں کی آمد کے موقعوں پہ آپ نوجوان نسل کا ردعمل بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔[1]

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام جو خدائے تعالیٰ کا وضع کردہ جامع اور معتدل آئین ہے اور ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ اس نے امت مسلمہ کو امت وسطیٰ قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہ کامل دین جس طرح پاکدامنی کے حصار کی شکستگی کے خطرے کی طرف پوری طرح متوجہ ہے اسی طرح سے وہ ان کے دیگر مسائل سے بھی غافل نہیں ہے۔ چنانچہ وہ عورتوں کو اجتماعات میں شرکت سے اس حد تک نہیں روکتا کہ جہاں تک وہ برائی سے بچی رہیں۔ بنابریں اسلام نے بعض اجتماعات میں عورتوں کی شرکت کو واجب قرار دیا ہے یہاں تک کہ شوہر بھی اس کا راستا نہیں روک سکتا اور بعض مقامات میں "رخصت" پر اکتفاء کی گئی ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ عورت پہ جہاد واجب نہیں ہے مگر ان حالات میں جب مسلمان اور ان کا مسکن دشمن کی زد پر آجائے اور سوائے دفاع کے کوئی چارہ نہ رہے تو ایسی صورت میں فقہاء کا فتویٰ ہے کہ عورتوں پر بھی جہاد واجب ہو جاتا ہے۔[2] لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو تو جہاد واجب نہیں ہوگا۔ تاہم رسولِ خدا نے بعض عورتوں کو اجازت دی تھی کہ وہ جنگوں میں زخمیوں کی تیمارداری کریں،

---

[1] ایران کے ۱۹۷۸ء کے حالات کی طرف اشارہ ہے۔

[2] "مسالک" آغاز کتاب جہاد۔

اس سلسلے میں تاریخ اسلام میں بہت سے واقعات محفوظ ہیں۔[1]

عورت پر نماز جمعہ میں شرکت واجب نہیں ہے مگر موقع پر حاضر ہونے کی صورت میں ان پر اس میں شرکت واجب ہو جاتی ہے۔[2]

نماز عیدین میں عورتوں کی شرکت واجب نہیں ہے لیکن ان کی شرکت ممنوع بھی نہیں ہے۔ تاہم باوجاہت اور صاحب جمال عورتوں کے لیے ایسے اجتماعات میں شرکت کرنا مکروہ ہے۔[3]

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرعہ اندازی کے ساتھ اپنی ازواج میں سے کسی ایک کو اپنے ہمراہ سفر پر لے جایا کرتے تھے اور بعض اصحاب کا عمل بھی یہی تھا۔[4]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی مگر ان کے ساتھ مصافحہ نہیں کیا۔ آپ پانی کا برتن لانے کا حکم فرماتے اور اپنا دست مبارک اس میں ڈال کر عورتوں کو بھی اس پانی میں ہاتھ ڈالنے کا حکم فرماتے اور اسی عمل کو عورتوں کی بیعت سے تعبیر فرمایا۔[5]

---

[1] کتب مغازی، سیر اور صدر اسلام کی تواریخ ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم جلد۵ صفحات ۱۹۶-۱۹۷، سنن ابوداؤد جلد۲ صفحہ ۱۷ اور جامع ترمذی صفحہ ۲۴۷ پر بھی توجہ دیں

[2] وسائل، جلد۱ صفحہ ۴۵۶ [3] وسائل جلد۱ صفحہ ۴۷۴

[4] صحیح بخاری، جلد۷ صفحہ ۳۴۔ تمام مورخین نے اس بات کو لکھا ہے۔

[5] اس واقعے کو بھی مورخین اور مفسرین کی تائید حاصل ہے۔ مورخین نے اس واقعے کو فتح مکہ کے ضمن میں اور مفسرین نے سورۃ ممتحنہ کی آیت ۱۲ کے ذیل میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ کافی جلد۵ صفحہ ۵۲۶ میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کبھی کسی غیر عورت کے ہاتھوں کو نہیں چھوا۔[1]

آپ نے کبھی عورتوں کو جنازہ میں شرکت سے منع نہیں کیا اگرچہ اسے ضروری بھی نہیں جانا۔ البتہ اس بات کو زیادہ ترجیح دی کہ عورتیں جنازہ میں شرکت نہ کریں۔ تاہم خاص مواقع پر انہوں نے شرکت بھی کی ہے اور نماز بھی پڑھی ہے۔ ہماری روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جب رسول خدا کی بڑی (ربیبہ) بیٹی حضرت زینب کا انتقال ہوا تو جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور دیگر مسلمان عورتیں آئیں اور انہوں نے نماز بھی پڑھی۔[1]

شیعی روایات کی رو سے نوجوان عورتوں کی جنازہ میں شرکت مکروہ ہے۔ علمائے اہل تسنن نے ام عطیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے ہمیں یہ نصیحت کی کہ ہم جنازہ میں شرکت نہ کیا کریں لیکن اس سے منع نہیں فرمایا۔[2]

یزید انصاری کی بیٹی اسماء کو مدینہ کی مسلمان عورتوں کی طرف سے نمائندہ بنایا گیا کہ وہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مدینہ کی عورتوں کا شکوہ آپ سے بیان کرے۔

اسماء اس وقت پہنچی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے۔ اس نے عرض کی:

"میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں مدینہ کی عورتوں کی نمائندگی میں آپ کے حضور پہنچی ہوں[3] ہم عورتوں کا یہ کہنا

---

[1] وسائل جلد ۱۔ صفحہ ۱۵۶ [2] صحیح مسلم جلد ۳۔ صفحہ ۴۷۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ صفحہ ۹۲ اور سنن ابوداؤد۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۸۰۔ [3] انا وافدۃ النساء الیک۔

ہے کہ خداوند عالم نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں پر مبعوث فرمایا ہے۔ آپ صرف مردوں کے نبی نہیں ہیں، ہم عورتیں بھی آپ پر اور آپ کے خدا پر ایمان لائی ہیں۔ ہم اپنے گھروں میں بیٹھ کر مردوں کی جنسی خواہشات کو پورا کرتی ہیں اور ان کے فرزندوں کو اپنے شکم میں جگہ دیتی ہیں لیکن ہم دیکھتی ہیں کہ عظیم، مقدس اور قابل قدر اور اجر و ثواب کے اعمال مردوں کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں اور ہم محروم ہیں۔

جمعہ اور جماعت، مریضوں کی عیادت، جنازے میں شرکت حج مکرر اور سب سے بڑھ کر راہ خدا میں جہاد کی توفیق یہ تمام فضیلتیں مردوں کو حاصل ہیں جبکہ حج یا جہاد پر جانے والے مردوں کے اموال کی رکھوالی ہم عورتیں کرتی ہیں۔ ہم آپ لوگوں کے لباس کے لیے چرخہ کات کر دھاگہ تیار کرتی ہیں۔ آپ کے فرزندوں کی تربیت کرتی ہیں۔ ان تمام زحمتوں میں آپ کے شریک ہونے کے باوجود آخر کیوں مقدس، عظیم اور حامل اجر امور میں ہمارا حصہ نہیں ہے اور ہم اس سے محروم ہیں؟"

جناب رسالتمآبؐ نے اپنے اصحاب پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا:
"کیا تم لوگوں میں سے کسی نے ایک عورت کی زبانی دین سے متعلق امور میں اتنی اچھی اور منطقی گفتگو سنی ہے؟"

ایک صحابی نے کہا:
"میں نہیں سمجھتا کہ یہ گفتگو اس عورت کی ہی ہو۔"

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے جواب پر کوئی توجہ نہیں دی اور اسماء سے مخاطب ہو کر کہا:

"بی بی جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو اور پھر ان عورتوں کو بھی سمجھاؤ جنہوں نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔ تم یہ سمجھتی ہو کہ ہر مرد تمہارے بتلائے ہوئے ان امور کے ذریعے اجر، توفیق، صلہ اور فضیلت پائے گا اور عورتیں اس سے محروم رہیں گی۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ عورت اگر اچھی طرح خانہ داری اور شوہر داری کا خیال رکھے اور گھر کے ماحول کو کدورت کے غبار سے آلودہ نہ ہونے دے تو اس کا اجر، صلہ اور فضیلت و ترقی ان تمام امور کے برابر ہو گا جنہیں مرد انجام دیتے ہیں۔"

اسماء ایک ایماندار عورت تھی۔ اس کا اور اس کی ساتھی عورتوں کا تقاضا ایمان کی گہرائیاں لیے ہوئے تھا۔ اس میں نفسانی خواہشات کا عمل دخل نہیں تھا۔ وہ اور اسکی ہمخیال خواتین اس تشویش میں تھیں کہ کہیں ان کو سونپی گئی ذمہ داریوں کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو اور تمام مقدس اور قدر و قیمت کے حامل وظائف مردوں ہی کے لیے مخصوص نہ کیے گئے ہوں۔ وہ مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات کی خواہاں تھیں لیکن کس موضوع میں؟ فضیلت اور مقدس وظائف کی انجام دہی کے موضوع میں۔ جو چیز ان کے ذہن سے چھو کر بھی نہ گزری تھی وہ یہ تھی کہ وہ انفرادی یا شخصی خواہشات کو "حقوق" کا نام دیں اور ایک ہنگامہ بپا کریں۔

لہذا جب اس نے جواب سنا تو اس کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا اور وہ

مسرت بھری کیفیت کے ساتھ اپنی ہمخیال عورتوں کی طرف لوٹ گئے[1]

ایسے موارد میں عورتوں کی شرکت سے متعلق بہت سی متضاد احادیث و روایات کتابوں میں وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض سے شدید ممانعت کی صورت نکلتی ہے لیکن صاحب وسائل جو خود بھی بڑے زبردست محدث ہیں تمام اسلامی آثار ور روایات پر نظر ڈالنے کے بعد کہتے ہیں:

> ان تمام روایات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عورتوں کے لیے مجالس عزا میں شرکت، لوگوں کے حقوق کی ادائیگی،[2] جنازے کی ہمراہی یا ایسے ہی دیگر اجتماعات میں شرکت جائز ہے جیسا کہ جناب فاطمہ زہراؑ اور دیگر ائمہ اطہار علیہم السلام کے ازواج کا طریقہ رہا ہے۔ پس جمع بین روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم ممانعت کی روایات کو کراہت پر محمول کریں۔[3]

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ اپنے امور کی انجام دہی کے لیے باہر جائیں۔ آپ کی زوجہ گرامی

---

[1] الشافی، جلد ۵، صفحات ۲۹۸ - ۳۹۹۔ اس واقعہ کو حدیث اور تفاسیر کی کتابوں میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

[2] کمپانی کی چھپی ہوئی بحار الانوار - جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۸ میں کافی کے حوالے سے جناب موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی ایک حدیث نقل ہوئی ہے: "کان ابی یبعث امی و ام فروہ تقضیان حقوق اھل المدینۃ" یعنی میرے پدر بزرگوار امام جعفر صادقؑ میری اور اپنی والدہ گرامی کو مدینہ کے حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لیے بھیجا کرتے تھے۔

[3] وسائل - جلد ۱ - صفحہ ۲۰۔

جناب سودہ بنت زمعہ ایک دراز قد خاتون تھیں۔ ایک شب وہ جناب رسولؐ اللہ کی اجازت سے کسی کام کے سلسلے میں باہر نکلیں۔ رات ہونے کے باوجود قد کی بلندی کی وجہ سے حضرت عمر بن خطاب نے انہیں پہچان لیا۔ وہ اس معاملے میں بڑے سخت آدمی تھے اور بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاکید کیا کرتے تھے کہ آپ اپنی عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت نہ دیں۔ حضرت عمر نے بڑے سخت لہجے میں جناب سودہ سے کہا کہ تم سمجھتی ہو کہ ہم نے تمہیں نہیں پہچانا ایسا نہیں ہے، آئندہ باہر نکلنے میں احتیاط سے کام لو۔ جناب سودہ وہیں سے واپس لوٹیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ اس وقت آپ رات کے کھانے میں مصروف تھے اور ایک ہڈی آپ کے دست مبارک میں تھی۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ آپ پر حالت وحی طاری ہوئی اور جب آپ اپنے حال میں واپس لوٹے تو آپ نے فرمایا:

انہ قد اذن لکن ان تخرجن لحوائجکن۔ یعنی تم عورتوں کو اجازت دی گئی ہے کہ اپنی احتیاجات کے تحت گھر سے باہر نکلو۔[1]

جیسا کہ تواریخ اور احادیث سے مجموعی طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر صحابہ میں اپنی طبیعت کی سختی اور ایک طرح سے مزاج کی گرمی کی وجہ سے جو انکی خصوصیت تھی عورتوں کے بارے میں بڑے سخت گیر واقع ہوئے تھے اور مکمل طور پر ان کی خانہ نشینی کی حمایت میں تھے۔

"جاحظ البیان والتبیین" کی جلد ۲ صفحہ ۹۰ اور جلد ۳ صفحہ ۱۵۵ میں

---

[1] صحیح بخاری، جلد ۷، صفحہ ۴۹، جلد ۸، صفحہ ۶۶، صحیح مسلم، جلد ۷، صفحہ ۶

حضرت عمر کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے:

"اکثروا لھن من قول "لا" فان "نعم" یغضریھن علی المسألہ یعنی عورتوں کو زیادہ تر "نہیں" کہنا چاہیے کیونکہ "ہاں" ان کی خواہشات کو جرأت بخشتا ہے۔

صاحب تفسیر کشاف سورۂ احزاب کی آیت ۵۳ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"حضرت عمر کو اس بات میں بہت زیادہ دلچسپی تھی کہ رسولؐ خدا کی ازواج پردے میں رہیں اور باہر نہ نکلیں۔ یہ بات وہ اکثر اپنے موضوع گفتگو میں لایا کرتے تھے۔ وہ ازواج پیغمبرؐ سے کہا کرتے تھے "اگر میرے بس میں ہوتا تو کوئی آنکھ تمہیں نہیں دیکھ سکتی تھی۔" ایک دن وہ ازواج رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "آخر تم لوگ دوسری عورتوں سے مختلف ہو۔ جس طرح تمہارا شوہر دوسرے مردوں سے مختلف ہے، تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم پردے میں رہو۔" رسولؐ اللہ کی زوجہ محترمہ جناب زینب نے فرمایا: "اے خطاب کے بیٹے وحی ہمارے گھر اتری ہے اور تم ہمیں غیرت سکھاتے ہو اور ہمارے لیے تکلیف معین کرتے ہو؟"

سنن ابن ماجہ میں در ذیل باب "ماجاء فی البکاء علی المیت" حدیث نمبر ۱۵۸۷ میں آیا ہے:

"جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے جنازہ میں شرکت فرمائی جس میں مرنے والے کی ایک رشتہ دار عورت شریک تھی۔ حضرت عمر نے اس عورت کو بہت ڈانٹ ڈپٹ کی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "چھوڑو اے عمر! آنکھیں اشک بار، دل داغدار اور غم تازہ ہے۔"

اس قسم کے واقعات حضرت عمر کے حالاتِ زندگی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جنھیں ہم نقل کرتے ہیں:

"حضرت عمر کی زوجہ جناب عاتکہ کی ہمیشہ مسجد جانے کے سلسلہ میں اپنے شوہر سے بات ہوتی تھی۔ حضرت عمر نہیں چاہتے تھے کہ وہ مسجد میں جا کر نماز میں شرکت کرے لیکن جناب عاتکہ کو اصرار تھا کہ وہ شرکت کریں گی۔ وہ شوہر کی ممانعت سے سبکدوش نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ حضرت عمر بھی واضح اور صریح طور پر انکار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ جب وہ جناب عاتکہ کی خواہش کے بارے میں خاموشی اختیار کریں وہ مسجد میں نہ جائیں اس لیے جب وہ اپنی خواہش کا اظہار کرتیں تو حضرت عمر خاموش ہو جاتے۔ مگر حضرت عاتکہ کہتی تھیں خدا کی قسم جب تک تم اپنے منہ سے واضح طور پر منع نہیں کروگے میں مسجد جاتی ہی رہوں گی۔"[1]

صحیح بخاری میں ابن عباس سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"میری بڑی خواہش تھی کہ مجھے کوئی مناسب موقع ہاتھ آئے اور میں حضرت عمر سے پوچھوں کہ وہ عورتیں کون ہیں جن کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

---

[1] "پردہ" مولانا مودودی۔ صفحہ ۳۱۸۔ نقل از موطائے امام مالک۔

إِنْ تَتُوبَآ إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ج[1] یہاں تک کہ حج کے سفر میں میرا ان کا ساتھ ہوا۔ ایک دن مجھے موقع ہاتھ آیا اور میں نے وضو کا پانی ان کے ہاتھوں پر ڈالتے ہوئے پوچھا اے امیرالمومنین! وہ دو عورتیں جن کی طرف قرآن مجید اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے: "إِنْ تَتُوبَآ إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ج" کون ہیں؟ حضرت عمر نے کہا تعجب ہے کہ تم مجھ سے ایسا سوال پوچھتے ہو، وہ عائشہ اور حفصہ ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر نے داستان کی تفصیل یوں بتائی:

میں اور انصار میں سے ایک شخص شہر مدینہ کے بالائی حصہ میں رہائش پذیر تھے جو مرکزی شہر اور مسجد سے خاصا دور تھا۔ ہم نے آپس میں باری باندھ رکھی تھی کہ ہر کوئی ایک دن چھوڑ کر مدینہ کے مرکزی حصہ اور مسجد میں جایا کرے گا اور وہاں پیش آنے والے تازہ واقعات واپس آکر دوسرے کو سنایا کرے گا۔ ہم اہل قریش مکہ میں اپنی عورتوں پر مسلط تھے[2] مگر مدینہ

---

[1] سورۂ تحریم۔ آیت ۴۔ یعنی اگر تم دونوں نے توبہ کرلی (تو یہ بجا اور ضروری ہے) اس لیے کہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں۔ یہ آیت جناب رسالتمآبؐ کی دو ازواج سے متعلق ہے جن سے آپ نے راز کی بات کی تھی مگر وہ خطا کی مرتکب ہوئیں اور انہوں نے اسے فاش کر دیا۔

[2] ایک اور روایت جسے صحیح مسلم کی چوتھی جلد میں صفحہ ۱۰۹ پر نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر کہتے ہیں: واللہ ان کنا فی الجاھلیہ ما نعد (باقی اگلے صفحہ پر)

کے لوگ اس کے برعکس تھے۔ ان کی عورتیں ان پر تسلط رکھتی تھیں۔ آہستہ آہستہ یہ عادت ہماری عورتوں پہ اثر انداز ہونے لگی۔ ایک دن میں نے اپنی شریک حیات پر برہمی کا اظہار کیا۔ میری توقع کے برخلاف اس نے مجھے جواب دیا۔ میں نے بگڑ کر کہا "تم مجھے جواب دینے لگی ہو؟ اس نے کہا شاید تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیبیاں ان سے کوئی جھجک نہیں رکھتیں اور آپ سے تین پانچ کرتی ہیں اور ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ کی ایک زوجہ تمام دن آپ سے ناراض رہی ہے۔ یہ سن کر مجھے سخت غصہ آیا۔ میں نے کہا خدا کی قسم رسولؐ خدا سے ایسا کرنے والا بڑا بدنصیب ہے۔ میں نے فوراً اپنا لباس تبدیل کیا اور شہر میں اپنی بیٹی حفصہ کے پاس پہنچا اور اس سے کہا میں نے سنا ہے کہ تم گاہے تمام دن رسولؐ کی ناراضگی کا سبب بنی رہی ہو۔ اس نے کہا ہاں یہ درست ہے۔ میں نے کہا میری بچی تم نے اپنا سب کچھ کھو دیا اور تمہیں یہ کیا بھروسہ ہے کہ خداوند عالم جناب رسالتمآبؐ کی خاطر تم پر غضبناک نہ ہو۔ میری بیٹی، میری بات سنو! اسکے بعد جناب رسالتمآب سے نہ تیزی اختیار

(پچھلے صفحے سے آگے) للنساء امراً حتی انزل اللہ تعالیٰ فیھن ما انزل وقسم لھن ما قسم ......" یعنی خدا کی قسم ہم عہد جاہلیت میں عورتوں کے لیے کسی بلندی و برتری کے قائل نہیں تھے۔ یہاں تک کہ خداوند عالم نے ان کے بارے میں آیتیں نازل فرمائیں اور ان کے حقوق و مفادات کا تعین کیا۔

کرو اور نہ ہی ان سے آزردہ خاطر رہو۔ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے کہو اور اگر تم اپنی رقیب (حضرت عائشہ) کو اپنے سے زیادہ خوبصورت پاتی ہو تو اس میں ناراض ہونے کی بات نہیں۔

بات گئی گزری ہو گئی۔ ان دنوں ہمیں شام کی جانب سے غسانیوں کے حملے کا خوف تھا۔ ہم نے یہ خبر سنی تھی کہ وہ لوگ ہم پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ایک دن جب میرے انصاری دوست کی شہر میں جانے کی باری تھی اور میں گھر میں تھا، میں نے دیکھا کہ رات کے وقت کوئی زور زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ میں گھبراہٹ کے عالم میں باہر نکلا تو اس نے خبر دی کہ ایک بہت بڑا حادثہ رونما ہوا ہے۔ میں نے کہا کیا غسانیوں نے حملہ کر دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں، اس سے بھی بڑا واقعہ پیش آیا ہے۔ اس نے جواب دیا، رسول اللہؐ نے اپنی عورتوں سے کنارہ کر لیا ہے۔ میں نے کہا اُف! حفصہ بے آسرا ہو گئی۔ مجھے پہلے سے اس بات کا خدشہ تھا اور میں نے حفصہ کو خبردار بھی کر دیا تھا۔

میں نے صبح سویرے لباس تبدیل کیا اور نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد روانہ ہوا اور وہاں رسالتمآبؐ کے ساتھ باجماعت نماز ادا کی۔ آنحضرتؐ نماز سے فارغ ہو کر اپنے مخصوص کمرے میں داخل ہوئے اور سب سے کنارہ کر لیا۔ میں حفصہ سے ملنے گیا۔ وہ ایک گوشہ میں بیٹھی رو رہی تھی۔ میں نے کہا تم کیوں رو رہی ہو؟ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم پیغمبرؐ کو اتنی قدر

نہ ستایا کرو۔ اچھا بتاؤ کیا انہوں نے تمہیں طلاق دیدی ہے ؟
اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ میں بس یہ جانتی ہوں کہ انہوں نے
ہم سب سے کنارا کر لیا ہے۔ میں مسجد میں جناب رسالتمآبؐ کے
منبر کے قریب پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ منبر کے گرد جمع
ہو کر رو رہے ہیں۔ میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا لیکن چونکہ
مجھے بڑی بے چینی ہو رہی تھی اس لیے میں جناب رسالتمآبؐ
کے غرفہ کی سمت گیا۔ دروازے پر ایک حبشی غلام بیٹھا ہوا تھا۔
میں نے اس سے کہا کہ جاؤ اور جا کر رسالتمآبؐ سے کہو کہ عمر
اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔ غلام گیا اور اس نے
واپس آکر کہا کہ میں نے اطلاع پہنچائی ہے۔ مگر حضورؐ نے
سکوت اختیار کیا ہے۔ یہ سن کر میں منبر کے گرد جمع ہونے والے
لوگوں میں واپس لوٹا اور کچھ دیر وہاں گزاری۔ مگر مجھ سے
رہا نہ گیا اور پھر واپس آکر دربان سے ملاقات کی اجازت
چاہی۔ وہ اندر گیا اور لوٹ کر اس نے پھر یہی کہا کہ میں نے
اجازت طلب کی مگر پیغمبر اکرمؐ نے جواب نہیں دیا۔ میں تیسری
مرتبہ منبر کے گرد جمع ہونے والے لوگوں کے درمیان پہنچا جو
آنحضرتؐ کی ناراضگی کی بنا پر فکر مند تھے لیکن پھر مجھ سے بیٹھا
نہ گیا۔ تیسری بار پھر میں نے دربان سے جا کر داخلہ کی
اجازت چاہی۔ اس نے پھر لوٹ کر یہی کہا کہ پیغمبرؐ نے سکوت
اختیار کر رکھا ہے۔ میں مایوسی کیساتھ واپس جانے لگا۔ اچانک
دربان نے آواز دی اور کہا پیغمبرؐ نے تمہیں اجازت دی ہے۔

اب تم آسکتے ہو۔ جب میں اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ جناب رسالتمآبؐ پہلو کے بل ریت پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کے سرہانے کھجور کی چھال کا تکیہ تھا اور آپ کے بدن پر کنکریوں کے نشانات پڑ گئے تھے۔

میں نے سلام کیا اور کھڑے ہو کر عرض کی، اے اللہ کے رسولؐ! سننے میں آیا ہے کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اللہ اکبر اور کھڑے کھڑے گفتگو شروع کی۔ میں چاہتا تھا کہ دل لگی کا کوئی راستا کھل جائے۔ میں نے کہا ہم قریش کے لوگ جب تک مکہ میں تھے اپنی عورتوں پر مسلط تھے۔ اب ہم اس شہر میں آگئے ہیں اور بدبختی سے یہاں کی عورتیں مردوں پر مسلط ہیں۔ جناب رسالتمآبؐ نے یہ سن کر تبسم فرمایا: میں نے اپنی بات جاری رکھی اور کہا میں نے پہلے ہی اپنی بیٹی حفصہ کو کہہ دیا تھا کہ اگر عائشہ تم سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ محبوب ہے تو اس میں جھنجلاہٹ کی کوئی بات نہیں۔ رسولِ خداؐ کے چہرے پر تھوڑی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ یہ دیکھ کر میں نے بیٹھنے کی جرأت کی اور اپنے اطراف میں دیکھا مگر مجھے کوئی چیز نظر نہیں آئی الا یہ کہ ایک طرف بکری کی تین کھالیں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ دعا فرمائیں کہ اللہ آپ کی امت کو ترقی عنایت فرمائے اسی طرح جس طرح روم اور فارس کے لوگ نعمتوں سے مالامال ہیں۔ رسولِ خداؐ جو

تکیے کے سہارے آرام فرما رہے تھے اچانک اٹھ بیٹھے اور کہا یہ آسائشیں لطف الٰہی کی دلیل نہیں ہیں۔ انھوں نے ان نعمتوں کو آخرت کی بجائے اسی دنیا میں خداوند عالم سے حاصل کر لیا ہے؟
میں نے عرض کی میں اپنی بات پر نادم ہوں۔ آپ میرے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔
اس کے بعد جناب رسالتمآبؐ نے ایک ماہ تک اپنی ازواج سے دوری اختیار کیے رکھی اس لیے کہ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ پر آپ کا راز فاش کر دیا تھا (اس لیے نہیں کہ حضورؐ کی ازواج آپ کے مقابل اپنی زبان پر قابو نہیں رکھتی تھیں جیسا کہ حضرت عمر کا خیال تھا) ایک ماہ بعد آپ نے اپنی ازواج سے رجوع فرمایا۔ اس وقت تخییر کی آیت نازل ہو چکی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ اگر ازواج رسولؐ میں سے کوئی اپنی ازدواجی زندگی سے ناخوش ہے تو پیغمبرؐ کو چاہیے کہ وہ نہایت خوش اسلوبی سے بھاری مالی امداد کے ساتھ اسے اپنے امر میں آزاد کر دے تاکہ وہ جہاں چاہے چلی جائے اور جس سے چاہے زندگی کا بندھن جوڑ لے اور جو اسی سادہ زندگی کے ساتھ پیغمبرؐ سے نباہ کرنا چاہے ان کے ساتھ ازدواج قائم رکھ سکتی ہے۔ سب نے کمال رضایت سے کہا: ہم خدا اور اس کے رسولؐ کو اپنے لیے منتخب کرتے ہیں اور زوجیت کے اس افتخار کو اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے[1]

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۷۔ صفحات ۳۶-۳۸ اور صحیح مسلم جلد ۴ صفحات ۱۹۲-۱۹۴

ہاں تو یہ ہے افراط و تفریط کے درمیان اسلام کی روش۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام جنسی آزادی کے خطرات سے بخوبی واقف ہے اور اسی لیے اجنبی مرد و زن کے میل جول اور تعلقات کے سلسلے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا اور ان حدود کا تعین کرتا ہے کہ جن کی پابندی کرنے سے کوئی برائی رونما نہ ہو۔ مختصر یہ کہ وہ عورتوں کو مردوں سے دور رکھنے کا حامی ہے۔

اسلام عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت دیتا ہے مگر مردوں کے اختلاط کے ساتھ نہیں۔ وہ ان کے لیے علیحدہ مقام کا تعین کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دورِ حیات میں عورتوں کے مسجد میں داخلہ کے لیے ایک خاص دروازے کا تعین فرمایا۔ ایک دن آپ نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"لو ترکنا ھٰذا الباب للنساء" یعنی اچھا ہے کہ اس دروازے کو عورتوں کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

بعد میں حضرت عمر نے صریحاً مردوں کو اس دروازے سے آنے کی ممانعت کر دی۔[1]

نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ نمازِ شب کے اختتام پر پہلے عورتوں کو باہر جانے کا موقع دیا جائے اور اس کے بعد مرد باہر نکلیں۔ آپ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ مرد و زن اختلاط کے ساتھ مسجد سے باہر نکلیں اس لیے کہ فتنے اسی اختلاط سے ابھرتے ہیں۔

جنابِ رسالتمآبؐ مرد و زن کے اختلاط اور تقرب سے بچنے کے لیے یہ حکم فرماتے تھے کہ مرد شاہراہوں اور گلی کوچوں میں کنارے سے ہٹ کر اور عورتیں کنارے کے ساتھ ساتھ چلیں۔[2]

---

[1] سنن ابو داؤد۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۰۹ [2] کافی جلد ۵ صفحہ ۵۱۸

ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے باہر تشریف فرما تھے۔ آپ نے دیکھا کہ مرد اور عورتیں دونوں ساتھ ساتھ مسجد سے نکل رہی ہیں۔ آپ نے عورتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا "بہتر یہ ہے کہ آپ مردوں کے نکل جانے تک تامل سے کام لیں۔ آپ کنارے کنارے چلیں اور مرد آپ سے فاصلے کے ساتھ راستے کے درمیان چلیں"[1]

اسی مناسبت سے فقہاء فتویٰ دیتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کا ایک ساتھ مل کر چلنا مکروہ ہے۔ جناب آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی (قدس سرہ) مرحوم عروۃ الوثقیٰ کی فصل اول میں زیر مسئلہ ۴۹ ارشاد فرماتے ہیں:

"یکرہ اختلاط الرجل بالنساء الا للعجائز" یعنی مردوں اور عورتوں کا اختلاط مکروہ ہے، مگر وہ عورتیں جو سن رسیدہ ہوں۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی جنسی حریص نہ ہو تو وہ تصدیق کرے گا کہ اسلام کا راستا معتدل اور متوازن ہے۔ اسلام نے جہاں جنسی روابط کی پاکیزگی کا خیال رکھا ہے وہاں عورتوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کوئی ممانعت پیدا نہیں کی بلکہ یہ اہتمام کیا ہے کہ اگر یہ دستور العمل ہر طرح کی افراط و تفریط کے بغیر بروئے کار آئے تو انسان آسودگی کی نعمت سے مالا مال ہو گا۔ اس کے خانگی روابط میں مضبوطی اور خلوص پیدا ہو گا اور مرد و زن کو اپنی کوششیں بروئے کار لانے کے لیے ایک صحیح ماحول ملے گا۔

---

[1] سنن ابو داؤد۔ جلد ۲۔ صفحہ ۶۵۸

اخلاقی تاکیدات

کافی میں اس مضمون کی بعض روایات نقل ہوئی ہیں کہ مرد کی توجہ زمین پر ہے اور عورت کی مرد پر۔ پس عورتوں کو گھروں کے حصار میں قرار دو۔

خود صاحب کافی کا خیال ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لڑکیوں کو جس قدر ہو سکے حصار ازدواج میں قرار دو۔

لیکن کچھ اور روایات ایسی ہیں کہ جو عورتوں کے بارے میں مردوں پر اخلاقی تاکید میں شمار ہوتی ہیں۔ وہ عورتوں اور مردوں کے باہمی تعلقات کے خطرات کو ظاہر کرتی ہیں۔ صاحب وسائل نے ان روایات کو استحباب پر محمول کیا ہے۔ یہاں ہم ان کے خاص حصوں کو پیش کرتے ہیں۔

الف۔ امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام جناب امام حسن مجتبیٰؑ کو تاکید فرماتے ہیں:

"واکفف علیھن من ابصارھن بحجابك ایاھن، فان شدت الحجاب ابقی علیھن، ولیس خروجھن باشد من ادخالك علیھن من لا یوثق به علیھن وان استطعت ان لا یعرفن غیرك فافعل"۔[1]

یعنی جہاں تک ہو سکے یہ کوشش کرو کہ تمہاری زوجہ غیر مردوں سے معاشرت نہ رکھے۔ گھر سے زیادہ کوئی جگہ عورت کو تحفظ نہیں دے سکتی جس طرح عورتوں کا گھر سے باہر جانا اور غیر مردوں سے معاشرت رکھنا ان کے لیے

---

[1] نہج البلاغہ۔ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی امام حسنؑ کو مشہور وصیت۔

مضر اور خطرناک ہے اسی طرح تمہارا گھر میں کسی غیر شخص کو وارد کرنا اور اس کے ساتھ اپنی زوجہ کو نشست و برخاست کی اجازت دینا بھی خطرے سے خالی نہیں نہیں ہے۔ اگر یہ ہو سکے کہ وہ تمہارے سوا کسی اور شخص کو نہ جانے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

یہ ایک اخلاقی تاکید ہے۔ علماء اسلام اس جملے کو اخلاقی تاکیدات کے زمرے میں لاتے ہیں لیکن اگر ہم پر چھوڑ دیا جاتا تو ہم شاید "اخلاقی تاکیدات" سے کہیں آگے نکل گئے ہوتے بلکہ ہمارا فیصلہ چہرے اور ہاتھوں کو چھپانے سے بھی زیادہ شدید ہوتا اور ہم یہی استنباط کرتے کہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں محبوس ہو جانا چاہیے۔ تاہم فقہاء نے اس مضمون کی تعبیر میں ایسا فتویٰ اس لیے نہیں دیا ہے کہ آیات، روایات اور سیرت معصومینؑ سے متعلق قطعی دلائل ان تعبیرات کے خلاف ہیں اور اسی لیے انہیں اخلاقی تعبیرات میں شمار کیا گیا ہے اور فقہ سے ان کی وابستگی نہیں رکھی گئی۔

اس طرح کے مضامین سے فقہاء نے جو استنباط کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایسی گفتگو دراصل دو مخالف جنسوں کے درمیان نفسیاتی ردعمل کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ ایک حقیقت کو پیش کرتی ہے کہ اجنبی مرد و زن کا ایک دوسرے سے رابطہ قطعی طور پر خطرناک ہے اور یہ وہ چکنی مٹی ہے جس پر بڑے بڑے ہاتھی بھی پھسل جایا کرتے ہیں۔

کم سے کم اخلاقی امر کے طور پر اسلام جس بات کی تاکید کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مدنی اجتماع غیر مختلط ہو۔

آج کا معاشرہ مختلط اجتماع کی مضرتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ عورتیں، مردوں کے دوش بدوش رہ کر اپنے کاموں کو انجام

دیں۔ اگر وہ دو علیحدہ حصوں میں اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھیں تو کیا اس میں کوئی حرج یا رکاوٹ پیدا ہو گی؟

اس دوش بدوش رہنے کے طرز عمل کا اثر یہ ہے کہ یہ دونوں ہمدوشوں کو اپنے فرائض سے باز رکھتا ہے اور وہ کام پر توجہ دینے کی بجائے اپنے ہمدوش پر توجہ دینے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ بات ہمدوشی سے ہم آغوشی تک پہنچ جاتی ہے۔

ب۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے ایک حدیث منقول ہے، ہر چند فقہاء اس حدیث سے استناد نہیں کرتے لیکن اس سے اس موضوع کی صحیح توجیہہ ہو سکتی ہے:

> ایک دن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا: عورت کے لیے سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ کوئی جواب نہ دے سکا۔ امام حسن علیہ السلام اس مجمع میں حاضر تھے۔ آپ نے گھر آ کر اس بات کا تذکرہ اپنی والدہ گرامی سے کیا۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: "عورت کے لیے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ وہ کسی اجنبی مرد کو نہ دیکھے اور اجنبی مرد کی نظریں بھی اس پر نہ پڑیں۔"[1]

یہ حدیث اخلاقی تاکیدات میں سے ہے اور نامحرم مرد و زن کی ایک دوسرے سے دوری کی اشد ضرورت کو بیان کرتی ہے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس ضمن میں آنے والی تمام شرعی رعایتیں، رکاوٹوں اور تنگیوں کو دور کرنے کے لیے ہیں لیکن ستر پوشی کی اخلاقی اہمیت مرد و زن کی ایک دوسرے سے دوری اور ان دونوں کے درمیان حدود امکان میں پردے کی برقراری اپنی جگہ پر اہمیت کی حامل ہے۔

---

[1] وسائل۔ جلد ۳، صفحہ ۹۔ نقل از کشف الغمہ

ج۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: "یا علی اول نظرۃ لک والثانیۃ علیک لا لک" [1] یعنی پہلی نگاہ تمہارے لیے بن مول ہے لیکن دوسری نگاہ فائدہ میں نہیں نقصان میں ہوگی۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حدیث بیانِ حکم کے لیے ہے یا اس اثر کے بیان میں ہے جو فطرتاً نگاہ میں موجود ہوتا ہے۔ صاحب شرائع محقق طوسی اور علامہ حلی جیسے بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ حدیث احکام نگاہ کو ظاہر کرتی ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ پہلی نگاہ جائز ہے اور دوسری حرام۔ بعض دیگر دانشمندوں کا کہنا ہے کہ عمدی نگاہ مطلقاً حرام ہے اور پہلی نگاہ اس لیے جائز ہے کہ وہ ارادی نہیں ہوتی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث شہوانی اور لذت خیز نگاہ کے ترک کی تاکید کے باب میں آتی ہے جو مطلقاً حرام ہے اور ہمارے موضوع گفتگو سے باہر ہے۔ یہ حدیث اس بات کو ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ انسان کی نگاہیں جب کسی حسین چہرے پر پڑتی ہیں تو وہ اسے اچھا معلوم ہوتا ہے اس لیے وہ اسے دوبارہ دیکھنا اور لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں پہلی بار چونکہ لذت گیری غیر ارادی ہے اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن دوسری بار چونکہ لطف اندوزی مقصود ہے، اس لیے جائز نہیں۔

د۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: "النظر سہم من

---

[1] وسائل جلد ۳۔ صفحہ ۲۴۔ سنن ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۴۹۶ میں اس عبارت کے ساتھ آیا ہے: "یا علی لا تتبع النظرۃ بالنظرۃ فان لک الاولی ولیست لک الاخرۃ"۔ وسائل میں نقل ہونے والی بعض شیعی روایات بھی اسی مضمون سے ملتی جلتی ہیں۔

سھام ابلیس مسموم وکم نظرۃ اورثت حسرۃ طویلہ"۔[1] یعنی نگاہ لذت گیر شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ کتنی ہی ایسی نگاہیں ہیں جو اپنے ساتھ حسرت اور تاسف لاتی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے: "زنا العینین النظر۔"[2] یعنی لذت کوش نگاہ ان دو آنکھوں کا زنا ہے۔

ان دونوں احادیث کا تعلق بھی شہوت آلود نگاہوں سے ہے اور ممکن ہے کہ بربنائے احتیاط یہ ایک اخلاقی تاکید ہو۔

نہ پابندی، نہ آزادی

مجموعی طور پر جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نہ تو عورت کو گھر کی چار دیواری میں قید کرنے کی اس روش کا نام ہے جس سے مخالفین اسلام، اسلام پر الزام دھرتے ہیں اور نہ ہی ایسی بے لگامی ہے کہ جسے آجکل کی دنیا نے اپنا رکھا ہے اور اس کے مذموم نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ ہماری مراد محفلوں میں مرد و زن کے باہمی اختلاط سے ہے۔

عورت کو مکمل طور پر گھر کی چار دیواری میں مقید کرنا ایک طرح کی سزا تھی جسے عارضی طور پر بدکار عورتوں پہ لاگو کیا گیا۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا

(سورۃ نساء۔ آیت ۱۵)

---

[1] وسائل جلد ۳ ۔ صفحہ ۲۴ [2] کافی جلد ۵ صفحہ ۵۵۹ اور وسائل جلد ۳ ۔ صفحہ ۲۴

تمہاری جو عورتیں زنا کی مرتکب ہوتی ہیں پہلے ان پر چار گواہ فراہم کرو۔ اگر چاروں نے (سنت میں بیان شدہ تفصیل کے مطابق) گواہی دی تو تم انہیں ان کی عمر کے اختتام تک گھروں میں محبوس کر دو یا پھر خدا ان کے لیے دوسری راہ معین کر دے۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ دوسری راہ سے مراد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حکم عارضی ہے اور آگے چل کر دوسرا حکم ان کے لیے آئے گا اور وہ دوسرا حکم سورۂ نور کی دوسری آیت ہے جو زانی اور زانیہ کی سزا کو معین کرتی ہے۔

مراد یہ ہے کہ اسلام محض مرد و زن کے بے قید اختلاط کا مخالف ہے نہ اس بات کا کہ عورت محافل میں شرکت نہ کرے خواہ اس نے پردے کی پوری رعایت کا خیال کیوں نہ رکھا ہو۔

اسلام کا کہنا یہ ہے کہ نہ علیحدگی نہ یکجائی بلکہ پردہ۔ جناب رسالتمآبؐ کے زمانے سے مسلمانوں کی روش یہی رہی ہے کہ عورتوں کو مجالس و محافل میں شرکت سے نہیں روکا جاتا۔ تاہم پردے کی رعایت ہمیشہ ملحوظ خاطر رہی ہے۔ مسجد ہو یا محافل' یہاں تک کہ کوچہ و بازار میں بھی عورت کبھی مرد کے ساتھ ملحق نہیں رہی ہے۔ بعض مشاہد مشرفہ کی طرح کہ جو ہمارے زمانے میں غیر معمولی ازدحام کے حامل ہیں' ایسے اجتماعات میں مرد و زن کی باہمی شرکت شارع اسلام کی مرضی کے خلاف ہے۔

فتاویٰ

یہاں تک پردے اور نگاہ کرنے کے حدود سے متعلق دلائل نیز عورتوں اور مردوں کے مجموعی روابط کے بارے میں کتاب و سنت کے احکام ظاہر ہو گئے ہیں

جو چہرے اور پہنچوں کے عدم ستر کے وجوب کو ثابت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ان نگاہوں کو بھی جائز قرار دیتے ہیں جو لذت گیری کے لیے نہ ہوں۔

اب ہمیں اس بات میں فتاوئی کی تلاش ہے۔ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ علمائے اسلام نے صدر اول سے آج تک ان دونوں اہم مسائل کے باب میں کس طرح کے فتوے دیے ہیں؟

سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھپانے کے سلسلے میں فقہائے اسلام کا کیا نظریہ ہے؟ اور اس کے بعد ان پر نگاہ کرنے کے بارے میں ان کی رائے دریافت کرنا ہے۔

اس موضوع پر شیعہ و سنی علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں ہے۔ البتہ اہل تسنن کے علماء میں سے صرف ایک عالم ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن ہشام کو اس نظریہ سے اختلاف ہے۔

چہرے کے بارے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ تاہم بعض علماء نے کلائیوں تک دونوں ہاتھوں یا پنڈلیوں تک دونوں پیروں کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا ان کا شمار استثناء میں ہوتا ہے یا نہیں؟

فقہی مسائل میں غالباً بہت کم ایسے مسئلے ہیں کہ جن میں شیعہ و سنی علماء کے درمیان اس طرح کا اتفاق رائے پایا جاتا ہو۔

اس ضمن میں علماء کے اقوال نقل کرنے سے پیشتر دو باتوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ عورت کے اپنے بدن کو پوری طرح ڈھانپنے کے مسئلہ میں فقہاء دو مقامات کا تعین کرتے ہیں۔ ایک وقتِ نماز کیونکہ نماز میں عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام بدن کو ڈھانپے خواہ وہاں کوئی نامحرم ہو یا نہ ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو بھی نماز میں چھپایا جانا

چاہیے یا نہیں؟

دوسرے نکاح کے باب میں کہ مرد کا کس حد تک اپنی پسندیدہ لڑکی کو دیکھ سکتا ہے۔ یہاں بھی عام طور پر اپنے آپ کو چھپانے یا نظر کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں ایک مکمل بحث کی جاتی ہے۔

تاہم فقہ کی رو سے ہمارے پاس دو طرح کے "ستر" ہیں۔ ایک ستر صلاتی جو نماز سے متعلق ہے اور جس کے ساتھ پاک ہونے اور غصبی نہ ہونے جیسے کچھ شرائط وابستہ ہیں اور دوسرے ستر غیر صلاتی کہ جس کی رعایت نامحرم لوگوں کے ضمن میں ضروری ہے۔ اس میں ستر صلاتی جیسی خاص شرائط نہیں ہیں۔ یہ بات بعد میں سامنے آئے گی کہ ستر صلاتی اور ستر غیر صلاتی میں حدود و مقدار کے اعتبار سے بظاہر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ فقہا ایک خاص اصطلاح استعمال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے علاوہ مستورات کا تمام بدن "عورت" ہے۔ ممکن ہے یہ تعبیر بعض افراد کے لیے بڑی معیوب ہو اس لیے کہ ان کے نزدیک "عورت" ایک نامناسب اور بڑی قبیح شے ہے۔ کیا اسلامی فقہ کے اعتبار سے چہرے اور کلائیوں کے علاوہ صنف نازک کا تمام بدن ایک بری اور قبیح شے ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ "عورت" کا لفظ ایک بری اور قبیح شے کے مفہوم میں نہیں ہے لہٰذا ہر بری اور قبیح شے کو "عورت" نہیں کہا جاتا بلکہ اسکے برعکس "عورت" کا لفظ ایسے موارد میں استعمال ہوتا ہے کہ جہاں برائی اور قباحت کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔

مثلاً قرآن مجید کے سورۂ احزاب میں جہاں ضعیف الایمان افراد کا تذکرہ ہوا ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا (سورۂ احزاب آیت ۱۳)

یعنی ان میں کا ایک گروہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واپس جانے کی اجازت چاہتا ہے اور کہتا ہے ہمارے گھر محفوظ نہیں ہیں حالانکہ ان کے گھر غیر محفوظ نہیں ہیں اور سوائے فرار کے کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔

یہاں گھر کے سلسلے میں "عورت" کا لفظ غیر محفوظ ہونے کے اعتبار سے استعمال ہوا ہے اور ظاہر ہے اس میں برائی یا قباحت کا کوئی مفہوم پیدا نہیں ہوتا۔ سورۂ نور کی آیت ۵۹ میں کہ جس کی تفسیر پہلے ہو چکی ہے، نماز صبح سے پہلے، دوپہر اور بعد عشاء کے اوقات کو "تین عورات" کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس وقت استراحت کی غرض سے کپڑے اتار دیے جاتے ہیں اور ان کے بدن دیکھنے والوں کی نظر سے غیر محفوظ ہوتے ہیں۔

صاحب مجمع البیان جو الفاظ کے تجزیہ اور تحلیل کے اعتبار سے مفسروں میں بے نظیر اور غیر مفسروں میں کم نظیر سمجھے جاتے ہیں، سورۂ احزاب کی آیت ۱۳ کے ذیل میں لغت کا مفہوم پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"والعورہ کل شیئ یتخوف منہ فی ثغر او حرب و مکان معور و دار معورہ اذا لم تکن حریزۃ۔"

یعنی ہر وہ شے جو نقصان کے خطرے سے دوچار اور باعث تشویش ہو اسے عورت کہا جاتا ہے، جیسے سرحدی علاقے یا جنگ سے متعلق کوئی بات۔ مکان معور یا خانہ معور اس مکان کو کہا جاتا ہے جو مستحکم نہ ہو اور ہر وقت اس کے گرنے کا احتمال ہو۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ لفظی تعبیر تحقیری نوعیت کی نہیں ہے۔

عورت کو "عورت" اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بے حصار گھر کی مانند ہے اور کبھی بھی کسی نقصان سے دوچار ہو سکتی ہے۔ اس کے حصار کے لیے پردے کا تعیین ضروری ہے۔

اب ہم فقہاء کے اقوال پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ حضرت علامہ حلی "تذکرۃ الفقہاء" کی کتاب الصلاۃ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"تمام علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سوائے چہرے کے مستورات کا تمام بدن "عورت" ہے۔ اس فیصلہ میں ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن ہشام کی رائے مختلف ہے اور وہ چہرے کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتے اسی لیے ان کی رائے بحکم اجماع ناقابل قبول ہے۔

ہمارے شیعہ علماء کے نزدیک کلائیوں تک دونوں ہاتھ بھی چہرے کا حکم رکھتے ہیں اور وہ "عورت" نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں مالک بن انس، شافعی، اوزاعی اور سفیان ثوری علمائے شیعہ کے ساتھ ہیں اس لیے کہ حضرت ابن عباس وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (سورۂ نور۔ آیت ۳۱) کی تفسیر میں چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو یکساں طور پر پردے سے مستثنیٰ شمار کرتے ہیں لیکن حضرت احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کے نزدیک کلائیوں سمیت ہاتھوں کا چھپانا ضروری ہے۔ تاہم حضرت ابن عباس کا قول ان کے رد کے لیے کافی ہے۔"

اس کے بعد علامہ حلی پاؤں کے چھپانے کے بارے میں گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ فقہائے اسلام نے ستر صلاتی کے باب میں سورۂ نور کی آیت سے استفادہ کیا ہے جو نماز سے متعلق نہیں ہے کیونکہ بدن کے وہ حصے جو

نماز میں چھپے ہوئے ہونے چاہئیں، نامحرم کے سامنے بھی ان کا چھپانا ضروری ہے۔
غالباً گفتگو اس بات میں ہے کہ کیا نماز میں نامحرم کے سامنے آنے کی شرط سے زیادہ بدن کے حصوں کا ڈھانپنا ضروری ہے؟ لیکن اس بارے میں بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جن حصوں کا نماز میں کھلا رہنا روا ہے نامحرم کے سامنے بھی ان کا ڈھانپنا ضروری نہیں ہے۔

اندلس کا مشہور فلسفی اور طبیب "ابن رشد" "بدایۃ المجتہد"[1] میں لکھتا ہے:

"بیشتر علماء کا یہ خیال ہے کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے علاوہ مستورات کا تمام بدن عورت ہے۔ حضرت ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ مستورات کے دونوں پاؤں بھی "عورت" میں شامل نہیں، لیکن ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن ہشام کا خیال ہے کہ مستورات کا تمام بدن بلا استثناء عورت ہے۔"

شیخ جواد مغنیہ اپنی کتاب "الفقہ علی المذاہب الخمسہ"[2] میں لکھتے ہیں:

"علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ ہر عورت اور ہر مرد پر لازم ہے کہ وہ اعضاء کہ جو علاوہ حالت نماز چھپائے جانے کا حکم رکھتے ہیں حالتِ نماز میں بھی ان کے وہی اعضاء پوشیدہ رہیں گے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ نماز میں اس ستر عورت کے حدود بڑھ جاتے ہیں یا وہی رہتے ہیں؟ عورتوں کے بارے میں گفتگو یہ ہے کہ کیا چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ یا ان کا کچھ حصہ نماز میں چھپانا ضروری ہے یا نہیں؟ درآنحالیکہ عام

---

[1] بدایۃ المجتہد، جلد اول، صفحہ ۱۱۱ [2] الفقہ علی المذاہب الخمسہ، صفحہ ۱۱۳

حالت میں ضروری ہے اور مردوں کے بارے میں گفتگو یہ ہے کہ کیا ان کے لیے بوقت نماز ناف اور گھٹنوں سے بڑھ کر دیگر اعضا کا چھپانا بھی ضروری ہے یا نہیں؟"

اس کے بعد وہ کہتے ہیں:

"علمائے شیعہ امامیہ کے نزدیک عورت پر حالت نماز میں بس وہی ستر واجب ہے جو ایک نامحرم کے سامنے جاتے ہوئے اس پر واجب ہے...."

اس سلسلے میں علماء کے اقوال کا بیان بہت طویل ہو جائے گا۔ گذشتہ علماء نے اپنی کتابوں میں جہاں بھی گفتگو کی ہے اسی طرح اپنی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن عام طور پر فقہاء کے درمیان حالتِ نماز میں بدن کو ڈھانپنے کے مسئلہ اور نکاح کے سلسلے میں عورت کو دیکھنے کے مسئلہ پر اختلاف رہا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ بعض اعاظم فقہائے معاصر نے "تذکرہ" میں علامہ حلیؒ کے بیان سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ چہرے کا ڈھانپنا واجب ہے[1] جو بالکل غلط ہے۔ علامہ حلیؒ کو "تذکرہ" میں چہرے اور ہاتھوں پر جوازِ نظر میں دوسروں سے اختلاف ہے نہ کہ پردے میں، جسے ہم ابھی بیان کریں گے۔

علامہ حلیؒ "تذکرہ الفقہا" کی کتاب نکاح میں جواز و عدم جواز نظر کے

---

[1] حضرت آیت اللہ حکیم مستمسک العروہ، جلد ۵ صفحات ۱۹۰-۱۹۲ میں چہرے کے کھلے رہنے کے دلائل کو تقویت بخشتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "ومن ذلک یظهر ضعف ما عن التذکرۃ من المنع وقواہ فی الجواهر..." ظاہراً مسئلہ پر صاحب جواہر کی رائے وجوب ستر کے متعلق نہیں بلکہ مسئلہ نظر کے ضمن میں ہے۔ بہر حال "تذکرہ" میں علامہ سے اس کی نسبت قطعاً درست نہیں ہے۔

مسئلہ میں کہتے ہیں:

"عورت پر مرد کی نگاہ، حاجت اور ضرورت کے تحت ہے (کہ جہاں قصد نکاح ہو) یا بلا احتیاج ہوتی ہے۔ اگر بلا احتیاج ہے تو چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے علاوہ بدن کے کسی اور حصے پر نگاہ ڈالنا جائز نہیں لیکن چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں پر نگاہ ڈالنے میں بھی اگر فتنہ کا خوف ہو تو پھر ان کا دیکھنا بھی جائز نہ ہوگا لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو شیخ طوسیؒ کے نظریے کے مطابق دیکھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ مکروہ ہے۔ اکثر شافعی بھی اس خیال سے متفق ہیں لیکن ان میں بھی بعض کے نزدیک چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا دیکھنا حرام ہے۔"

علامہ حلیؒ اس خیال کے حامل شافعی مذہب کے پیروکاروں کے دلائل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میرے خیال میں بھی چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا دیکھنا حرام ہے۔"

محقق طوسی شرایع الاسلام میں کہتے ہیں: چہرے اور ہاتھوں پر نگاہ صرف ایک دفعہ جائز ہے لیکن اس کی تکرار درست نہیں۔ شہید اولؒ نے لمعہ میں اور علامہ حلیؒ نے اپنی بعض کتابوں میں اسی نظریے کو اپنایا ہے۔

مجموعی طور پر چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو دیکھنے کے بارے میں تین اقوال ہیں:

(الف) تذکرہ میں علامہ نے اسے مطلق ممنوع قرار دیا ہے اور معدودے چند دیگر علماء نے کہ جن میں صاحب جواہر بھی شامل ہیں اسکی تائید کی ہے۔

(ب) صرف ایک دفعہ دیکھنا اور تکرار نظر کی ممنوعیت محقق نے شرایع میں شہید اول نے لمعہ اور علامہ نے اپنی بعض کتابوں میں اس نظریہ کا اتباع کیا ہے۔

(ج) جواز مطلق ـــ شیخ طوسی، کلینی، صاحب حدائق اور شیخ انصاری نے اس نظریہ کی تائید کی ہے۔ اس کے علاوہ نراقی نے مسالک میں اس قول کی تائید کرتے ہوئے ان دلائل کو رد کیا ہے جن سے شافعی مذہب کے پیروکاروں نے تمسک کیا ہے اور جو علامہ حلی کی پسندیدگی کا باعث بنے ہیں لیکن آخر میں وہ کہتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ حکم تحریم احتیاط اور سلامتی کا راستہ ہے۔

یہاں تک ہم نے پردے اور حرمت نگاہ کے بارے میں قدیم علمائے اسلام کے نظریات کو پیش کیا ہے لیکن علمائے متاخرین:۔

آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی مرحوم "عروۃ الوثقیٰ" میں نماز سے ہٹ کر ستر بدن کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"عورت پر واجب ہے کہ وہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے علاوہ اپنے تمام بدن کو نامحرم سے چھپائے رکھے۔"[1]

دیکھنے کے مسئلہ میں آپ کا ارشاد ہے:

"مرد کا اجنبی عورت کو دیکھنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا ناجائز ہے۔ بعض علماء نے چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان پر نگاہ کرنا مطلقاً جائز ہے۔ بعض نے ایکبار دیکھنے

---

[1] عروۃ الوثقیٰ، کتاب الصلاۃ، فصل ساتر۔

کو جائز اور دوبارہ دیکھنے کو ناجائز کہا ہے جبکہ کلی طور پر نہ دیکھنا احوط ہے۔"[1]

لیکن فقہائے متاخر و معاصر نے زیادہ تر ان دونوں مسائل میں واضح طور پر اظہارِ خیال سے اجتناب کیا ہے اور اپنے رسالہ جات عملیہ میں احتیاط کو پیشِ نظر رکھا ہے۔

علمائے متاخرین اور معاصرین کے درمیان حضرت آیت اللہ حکیم اعلیٰ اللہ مقامہٗ نے منہاج الصالحین کے نویں ایڈیشن میں کتاب النکاح، مسئلہ سوم میں ایک واضح فتویٰ صادر کیا ہے اور اس میں آپ نے صریحاً چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"جس عورت سے قصدِ نکاح ہو اس کو دیکھنا جائز ہے۔ اسی طرح ذمی عورتوں کو بھی دیکھنا جائز ہے مگر قصدِ لذت نہ ہونے کی شرط کے ساتھ، یہی حکم بے پروا عورتوں کے باب میں بھی ہے جن پر نصیحت اثر انداز نہیں ہوتی، مگر یہاں بھی قصدِ لذت نہ ہونے کی شرط ہے اور اسی طرح وہ عورتیں جو کسی نہ کسی عنوان سے محرم ہیں، ان کے علاوہ دوسری تمام عورتوں کو دیکھنا حرام ہے مگر یہ کہ ان کے چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں پہ نظر جا پڑے، یہاں بھی قصدِ لذت نہ ہونے کی شرط ہے۔"

حسنِ احتیاط

بلاشبہ جوازِ نظر اور چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کے کھلے رہنے کے

---

[1] عروۃ الوثقیٰ، کتاب النکاح، مسئلہ ۳۱۔

سلسلے میں صریحاً فتویٰ سے پرہیز کا سبب علماء کی حسِ احتیاط ہے۔ ہر شخص اپنے ضمیر میں یہ جانتا ہے کہ مرد اور عورت دو الگ خصوصیات کے حامل ہیں۔ عورت خود آرائی اور خود نمائی کی دلدادہ اور مرد تانک جھانک اور نظر بازی کا شوقین ہوتا ہے۔
بقول رسالہ "توفیق":

> "یہ جو شعراء عورت کو سرو سے تشبیہ دیتے ہیں وہ اس لیے نہیں ہے کہ وہ راست قامت ہے بلکہ اس لیے ہے کہ عورت سرو کی طرح سردی اور گرمی سے بے نیاز ہے اور دونوں موسموں میں برہنہ باہر نکلتی ہے اور سردی کی تکلیف سے ہرگز نہیں گھبراتی۔"

عورتوں کی خود نمائی اور مردوں کی نظر بازی کے بارے میں "ویل دوراں" لکھتا ہے:

"انسانی افعال و کردار میں اس سے بڑھ کر حیرت انگیز بات کیا ہو سکتی ہے کہ سن رسیدہ لوگ اس پیرانہ سالی میں عورتوں کے پیچھے دوڑیں اور عورتیں تادمِ مرگ معشوق اور محبوب بننے کی تمنا کریں۔ عورت میں دلچسپی انسانی کردار کا سب سے مضبوط عنصر ہے۔ دیکھو یہ مکار جانور کس طرح اپنے شکار کے تعاقب میں ہے۔ درآنحالیکہ وہ اپنے آپ کو اخبار پڑھنے میں محو ظاہر کر رہا ہے۔ اس کی طرف توجہ دو اور دیکھو کہ وہ کس طرح اس کو اپنا دائمی اسیر بنانے کی دھن میں ہے۔ اس کا خیال ذہن میں لاؤ اور مشاہدہ کرو کہ وہ کیونکر پروانہ وار شمع کے گرد گھومنے میں مصروف ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ بات کیونکر رونما ہوتی ہے؟ لگاؤ کی ان گہری جڑوں کا تعلق کس چیز سے ہے؟ اور کن مراحل سے گزر کر اس موجودہ مرحلہ اور جنون تک پہنچتا ہے؟"

جی ہاں ہم اس بیان شدہ حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ تاہم ہم جانتے ہیں کہ پاکدامنی اور تقویٰ اسلام کے اصولوں میں سے ایک حتمی اصول اور خاندانی ومعاشرتی قوانین کا لازمہ ہے۔

کتمان یا اظہار

اسی بنیاد پر اس مسئلہ میں عملی طور پر دو مختلف صورتیں وجود میں آتی ہیں:
ایک یہ کہ صاحبان فتویٰ موجودہ صورتِ حال کے پیش نظر اپنے جی میں بہت سخت گھبراتے ہیں کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپانے کے عدم وجوب اور ان پر عدم حرمت نگاہ کے بارے میں فتویٰ صادر کریں' لہٰذا وہ اپنی سلامتی اسی میں سمجھتے ہیں کہ صرف ایک "الاحوط" کہہ کر اپنی جان بچائیں۔

دوسری صورت حال یہ ہے کہ بعض افراد کا مختار یہ ہے کہ اگرچہ حقیقت اور واقعیت کی رو سے مفہوم یہی ہے لیکن اس دور کے پیش نظر جہاں ہر شخص ایک بہانہ کی تلاش میں ہے کہ پردے کے قیود سے جس طرح بھی ہو سکے چھٹکارا حاصل کرے' ضروری ہے کہ ہم حقائق کے ایک حصے کو پوشیدہ رکھیں تاکہ یہ حصہ ان کے لیے بہانہ نہ بنے۔

یہ درست ہے کہ اسلام نے چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپائے جانے کو واجب قرار نہیں دیا ہے لیکن اسے لوگوں کو نہیں بتانا چاہیے کہ اس حقیقت کو سننے کے بعد عورتیں نہ صرف یہ کہ چہرے اور ہاتھوں کو کھلا رکھیں گی بلکہ ان کا سر' سینہ اور گھٹنوں تک پیر بھی کھل جائیں گے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں "کتمان یا پوشیدگی کا فلسفہ" ابھرتا ہے۔

جب میں نے داستان راستان (سچوں کی باتیں) نامی کتاب لکھی تو خوزستان کے ایک عالم نے مجھے ایک خط لکھا۔ اس فاضل ہستی نے میری کتاب کو سراہتے ہوئے اسے بہت مفید قرار دیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے ان تمام داستانوں کو اصل ماخذ سے ملایا ہے اور حرف بہ حرف درست پایا ہے لیکن اس نے یہ معروضہ بھی کیا ہے کہ میں اس میں سے دو داستانوں کو نکال دوں، اس لیے کہ ان سے غلط استفادہ کا اندیشہ ہے:

ایک داستان کا تعلق گھر کے کاموں کی تقسیم سے تھا جسے جناب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ اور جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے درمیان قائم کیا تھا۔ آپ نے باہر کے کاموں کو جناب علیؑ اور گھر کے کاموں کو جناب سیدہؑ کے سپرد فرمایا لیکن جناب سیدہؑ حضرت علی علیہ السلام کی غیر موجودگی میں باہر کے کاموں کی ذمہ داری بھی قبول کرتی تھیں۔

دوسری داستان بردہ فروشی سے متعلق ہے جس میں جناب رسولؐ خدا نے اس کام کی مذمت کی ہے۔

اس مرد عالم نے مجھے تاکید کی کہ میں ان دونوں داستانوں کو باوجود اس کے کہ ان کی اصل واساس درست ہے، کتاب سے نکال دوں اس لیے کہ پہلی داستان سے وہ لوگ غلط فائدہ اٹھائیں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور دوسری داستان بردہ فروشی کے مخالفین کو سوء استفادہ کا موقع دے گی۔

میں اس کلی اصول کا مخالف نہیں ہوں کہ وہ چیز نہ لکھی جائے جو حقیقت سے انحراف کا باعث ہو اس لیے کہ بحث لوگوں کو حقیقت سے نزدیک کرنے کے لیے کی جاتی ہے نہ یہ کہ اس کو پڑھ کر لوگ حقیقت سے دور ہونے لگیں البتہ

کتمانِ حقائق یا حقائق کی پردہ پوشی فعل حرام ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ. (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۵۹)

یعنی وہ لوگ جو ہمارے نازل کردہ ان حقائق کو اس کے بعد چھپاتے ہیں جبکہ ہم نے انہیں واضح کر دیا ہے، ان پر خدا اور تمام لعنت کرنے والے، لعنت کرتے ہیں۔

آیت کا انداز بڑا سخت اور شدید ہے۔ قرآن مجید نے بہت کم موضوعات میں اتنا سخت لہجہ اختیار کیا ہے۔

بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ غالباً مراد یہ ہے کہ لوگ اپنے ذاتی منافع کی خاطر حقائق سے صرف نظر نہ کریں اور انہیں پوشیدہ نہ رکھیں لیکن یہ بات اس آیت کے ذیل میں نہیں آتی کہ ہم حقیقت کو خود حقیقت کی خاطر (البتہ محدود اور معین شرائط سے وہ بھی اس لیے کہ لوگ اس سے سوءِ استفادہ نہ کریں) بیان نہ کریں۔ دوسرے لفظوں میں جھوٹ بولنا فعل حرام ہے لیکن سچ بولنا بھی ہمیشہ واجب نہیں۔ یعنی کبھی کبھی بعض مسائل میں خاموشی ضروری ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کی مصلحت اندیشیاں اگر درحقیقت حقیقی مصالح کی بنیاد پر ہوں اور ان میں طبقاتی، شخصی یا صنفی منافع کا دخل نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

لیکن گفتگو یہ ہے کہ ریڈیو کی خرید و فروخت کے عدم جواز یا چہرے اور ہاتھوں کے چھپائے جانے کے عدم وجوب سے متعلق فتویٰ نہ دینے کو ہم عاقلانہ اور صحیح مصلحت اندیشی پر محمول کر سکتے ہیں؟ کیا واقعی صورتِ حال ایسی ہی ہے کہ عورتیں اپنے

چہرے اور ہاتھوں کو چھپانے لگیں گی اور اس حقیقت کو برملا کرنے سے چہرے، ہاتھ اور تمام بدن عریاں ہو جائے گا یا حقیقتِ امر اس سے مختلف ہے۔

یعنی بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں یہ سوچنے لگیں گی کہ مذہبی اعتبار سے عورت کا چہرہ کھلا ہوا نہیں ہونا چاہیے اور اگر چہرہ کھل گیا تو گویا بات ختم ہو گئی، یا پھر وہ چہرے کے چھپانے کو غیر عملی اور غیر منطقی سمجھنے لگیں گی اور کوئی فلسفہ یا کوئی استدلال ان کے لیے مفید نہ ہوگا اور وہ سرتاپا عریاں ہو جائیں گی۔

بعض اجتماعی امور سے متعلق ماہرین کا خیال ہے کہ اس افراط اور بے لاہ روی کا سبب وہ غلط توہمات ہیں جو ایک معاشرہ پردہ کے بارے میں رکھتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو حقائق سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ اگر بات اس طرح کہی جاتی جس طرح اسلام نے کہی ہے تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ یہ صورت حال "پوپ سے زیادہ کیتھولک بننے کی کوشش" میں رونما ہوئی ہے۔ قرآن حکیم سورۂ حجرات میں ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ (سورۂ حجرات۔ آیت ۱)

یعنی اے ایمان لانے والو! اللہ اور اسکے رسولؐ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔

اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم دینداری اور بزرگی کو اس حد تک لے جائیں کہ جہاں تک خدا اور اس کے رسولؐ نے حکم نہیں دیا اور پیغمبرؐ سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں:

"ان اللہ حدد حدودا فلا تعتدوھا وفرض فرائض فلا تنقصوھا وسکت عن اشیاء لم یسکت عنھا نسیانا فلا تتکلفوھا"

یعنی خداوند عالم نے ہر چیز کے حدود معین کیے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ (بعض محرمات کا تعین کیا ہے اسے نہ توڑو) اور بعض واجبات لاگو کیے ہیں انہیں ترک نہ کرو اور بعض چیزوں کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے (نہ انہیں حرام کیا ہے نہ واجب) یہ سکوت بھول کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس نے یہ چاہا ہے کہ تم ان موارد میں آزاد رہو، پس تم ان راستوں میں اپنے کو تکلیف اور مشقت میں نہ ڈالو اور آپ سے آپ دین اور خدا کے نام پر تکلیف معین نہ کرو۔

"جامع الصغیر" میں نقل ہونے والی ایک حدیث میں جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ یحب ان یوتی رخصہ کما یکرہ ان یوتی معصیۃ"

یعنی جس طرح خداوند عالم اس بات سے ناخوش ہوتا ہے کہ بندے ان چیزوں پر عمل کریں جنہیں اس نے نہ کرنے کے لیے کہا ہے اسی طرح اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ اس کی مخلوق ان امور پر بالکل اسی طرح عمل کرے جس طرح اس کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور اپنی طرف سے کمی و بیشی نہ کرے۔

اس حدیث کو ان الفاظ میں بھی نقل کیا گیا ہے:

"ان اللہ یحب ان یؤخذ برخصہ کما یحب ان یؤخذ بعزائمہ"

یعنی خداوند عالم پسند کرتا ہے کہ اس نے جس چیز کو مباح قرار دیا اور لوگوں کو اس کی چھوٹ دے رکھی ہے لوگ اسی طرح اسے مباح سمجھیں اور یہ بات بالکل اسی طرح ہے جس طرح وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی منع کی ہوئی ہر شے کو ناروا سمجھیں۔

ممکن ہے میرا یہ نظریہ غلط ہو۔ میں نے بار بار یہ بات کہی ہے کہ اس قسم کے فرعی مسائل میں ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مجتہد کے فتویٰ پر عمل کرے لیکن

حقیقت کو مصلحت اندیشی کے نام سے چھپانے کے بارے میں میری رائے مختلف ہے۔ میں مصلحت کو حقیقت بیانی میں مضمر سمجھتا ہوں۔ مصلحت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عورتوں کے ذہن سے یہ بات نکال دی جائے کہ پردہ دور حاضر میں غیر عملی شے ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم یہ بات ثابت کریں کہ اسلامی پردہ بلا شبہ ایک مکمل منطقی راہِ حیات ہے۔

پھر اس بات کی کوشش کریں کہ ہم اپنی تمدنی، اجتماعی اور دیگر سرگرمیوں میں عورتوں کے لیے خصوصی فعالیتوں کی تشکیل کریں اور ان تنظیموں سے برسرپیکار رہیں جو یورپ کی احمقانہ تقلید میں عورتوں اور مردوں کی مشترکہ سرگرمیوں سے وجود میں آئی ہیں۔ صرف یہی وہ صورت ہے جس سے عورتیں اپنا حقیقی مقام حاصل کریں گی اور آزادی و مساوات کے نام پر مردوں کے ہاتھ کا کھلونا اور بعض مواقع پر ان کی شہوت رانی کا ذریعہ نہیں بنیں گی۔

دو اور مسائل

عورتوں اور مردوں کی معاشرت کے باب میں دو مسئلے رہ گئے ہیں جن کا ذکر یہاں نامناسب نہ ہوگا۔ یہ مسائل عورتوں کی آواز اور ان سے ہاتھ ملانے کے سلسلے میں ہیں۔

عورتوں کی آواز سے متعلق مسئلہ میں ظاہراً یہ بات مسلم ہے کہ عورتوں کی آواز سننا جائز ہے بشرطیکہ اس میں لذت گیری کا عنصر موجود نہ ہو۔ آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی مرحوم "عروۃ الوثقیٰ" "باب نکاح فصل اول کے مسئلہ ۳۹ میں ارشاد فرماتے ہیں:

لا باس بسماع صوت الاجنبیہ مالم یکن تلذذ ولا

ریبۃ من غیر فرق بین الاعمی والبصیر وان کان الاحوط لترک فی غیر مقام الضرورۃ ویحرم علیہا اسماع الصوت الذی فیہ تہییج السامع بتحسینہ وترقیقہ۔ قال تعالیٰ فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض۔"

یعنی لذت گیری اور رغبت کا دخل نہ ہونے کی صورت میں عورت کی آواز سننا جائز ہے لیکن اس کے باوجود اگر ضرورت ایجاب نہ کرے تو اس کا ترک بہتر ہے اور عورت پر حرام ہے کہ وہ اپنی آواز کو باریک، خوبصورت اور اس طرح بنا کر پیش کرے کہ وہ ہیجان انگیز ہو، جیسا کہ خداوند تبارک وتعالےٰ نے کلام پاک میں ازواج پیغمبرؐ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم بات کرتے ہوئے اپنی آوازوں کو باریک اور ہیجان خیز نہ بناؤ کہ جس سے بیمار دل افراد لالچ میں پڑ جائیں۔

عورت کی آواز سننے کا مسئلہ مسلمات میں سے ہے اور اسکی دلیل اسکی ضرورت اور مسلمانوں کی روش ہے۔ ہم اسے خصوصی طور پر رسولؐ خدا اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی قطعی تاریخی سیرت میں اجاگر پاتے ہیں۔

اس کے علاوہ مذکورہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ گفتگو جس میں ناز وادا کا دخل نہ ہو جائز ہے۔ یعنی خود یہ آیت اجنبی مرد وزن کے باہمی گفتگو کے جواز پر دلیل ہے۔

صرف شہید اولؒ نے "لمعہ" میں کہا ہے: ویحرم سماع صوت الاجنبیۃ اور بعض فقہائے معاصر نے کتابت میں غلطی کا احتمال ظاہر کیا ہے اور کہا ہے کہ لکھنے میں "لایحرم" ۔ "یحرم" ہو گیا ہے۔

دوسرے مسئلہ میں جو ہاتھ ملانے سے متعلق ہے اگر لذت اور رغبت کا

دخل نہ بھی ہو جب بھی اجنبی مرد اور عورت کے درمیان یہ طرزِ عمل جائز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان کوئی کپڑا یا دستانہ حائل رہے۔ اس مسئلہ میں بھی علماء کے درمیان مکمل اتفاق ہے۔ بعض روایتوں میں دستانہ یا حائل کی شرط کے ساتھ یہ بھی آیا ہے کہ ہاتھ کو زور سے دبایا بھی نہ جائے۔ سید مرحوم عروۃ الوثقیٰ میں پچھلے مسئلہ کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

"لا یجوز المصافحہ الاجنبیہ نعم لا بأس بھا من وراء الثوب"

یعنی عورت سے ہاتھ ملانا جائز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ درمیان میں کوئی کپڑا حائل ہو۔

ظاہر ہے کہ دستانے یا کپڑے کی موجودگی کے ساتھ اجنبی عورت کے ساتھ ہاتھ ملانے کا جواز اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ اس میں لذت اور رغبت کا دخل نہ ہو لیکن اگر لذت و رغبت کا عمل دخل ہو تو جیسا کہ بعض علماء نے "عروہ" کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے' قطعاً حرام ہے۔



ہماری مطبوعات

- درسِ قرآن
- مکتبِ تشیع اور قرآن
- اسرارِ نہج البلاغہ
- نہج البلاغہ سے چند منتخب نصیحتیں
- مذہب اہلِ بیتؑ
- شیعیت کا آغاز کب اور کیسے
- فلسفہ امامت
- اہلِ بیتؑ آیتِ تطہیر کی روشنی میں
- ائمہ سیریز (مکمل سیٹ)
- سوانح حیات حضرت فاطمۃ الزہراؑ
- اہلِ بیتؑ کی زندگی مقاصد کی ہم آہنگی، زمانہ کی نیرنگی
- فدک تاریخ کی روشنی میں
- آمریت کے خلاف ائمہ طاہرینؑ کی جدوجہد
- صدائے حضرت سجادؑ
- سوانح حیات حضرت امام حسینؑ
- تفسیر سیاسی قیام امام حسینؑ
- ائمہ معصومینؑ کی سیاسی زندگی کا تحقیقی جائزہ
- اثباتِ وجودِ خدا
- ۳۰ جواب
- آسان عقائد (دو جلدیں)
- تعلیم دین سادہ زبان میں (دو جلدیں)
- حسین شناسی
- انقلابِ حسینؑ پر محققانہ نظر
- فکرِ حسینؑ کی الف ب
- تفسیرِ عاشورا
- عزاداری کیوں؟
- عاشورا اور خواتین
- پیامِ شہیداں
- ہمارا پیام
- آزمائش
- درسِ انقلاب
- اسلامی تحریک قرآن و سنت کی روشنی میں
- شناختِ استکبار
- عوامی حکومت یا ولایتِ فقیہ
- کتاب المومن
- خاندان کا اخلاق
- ازدواج در اسلام
- اسلام میں خواتین کے حقوق
- آسان مسائل
- عورت پردے کی آغوش میں
- اسلامی اتحاد، مسلکِ اہلِ بیتؑ کی روشنی میں
- مادیت و کمیونزم
- خاک پر سجدہ مقصد، اہمیت، حقیقت
- عظیم لوگوں کی کامیابی کے راز
- انسان کے کمال میں اخلاق کا کردار
- دعائے افتتاح
- دعائے ندبہ
- زیارتِ جامعہ